

راستے میں بیٹھنے کا حق

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ فِي الطَّرَفَاتِ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا لَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِذَا أَيَّتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ، فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ» قَالُوا: وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: «غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ» [مسلم: ۳-۲۱۲۱]

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راستوں میں بیٹھنے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے وہاں بیٹھنے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ہم وہاں گفتگو کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم نے ضرور راستوں میں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کو اس کا حق ادا کرو۔ صحابہ نے عرض کی: راستے کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ① نظر نیچی رکھنا، ② کسی کو تکلیف دینے سے باز رہنا، ③ سلام کا جواب دینا، ④ نیکی کا حکم دینا اور ⑤ برائی سے منع کرنا۔“

سچی باتیں

ہر روز، صبح سے لے کر رات تک، آپ کی زبان پر جو کچھ آتا رہتا ہے کبھی آپ نے تنہائی میں اس پر بھی غور فرمایا ہے؟ ہر روز جتنی باتیں آپ کی زبان پر آتی رہتی ہیں، کبھی آپ نے انھیں قلم بند کر کے یہ سوچا ہے کہ کتنی باتیں ان میں جاتیں اور کتنی بے جا؟ کتنے لفظ زبان پر لانے والے تھے، کتنے نہ تھے؟ کبھی آپ نے اس کا حساب لگایا ہے کہ ہر روز بلا ناغہ جتنی گفتگو آپ فرماتے رہتے ہیں، اُس کا کتنا حصہ محض عبث، فضول اور غیر ضروری ہوتا ہے، کتنا حصہ ایسا ہوتا ہے جس سے دوسروں کی دل شکنی اور دل آزاری ہوتی ہے، کتنا حصہ جھوٹ، مبالغہ اور ناراستی پر شامل ہوتا ہے، کتنے حصہ سے دوسروں کی غیبت ہوتی ہے، کتنے سے اپنی بڑائی اور خود بینی نکلتی ہے، کتنے سے اللہ کے ساتھ بے تعلقی، بدگمانی اور بے اعتباری ثابت ہوتی ہے، کتنا دوسروں کی خوشامد اور جھوٹی تعریف کے لیے وقف ہوتا ہے، اور کتنے حصہ میں محض اپنی بات کی بیچ کرنے، نبھانے، یا سننے والے کو خوش کرنے کے لیے آپ کو اپنی دیانت و خودداری کا خون کرتے رہنا پڑتا ہے؟ ساری عمر کا اندازہ نہ کیجیے، ایک سال، ایک مہینہ، ایک ہفتہ کا بھی حساب جانے دیجیے، صرف ایک شبانہ روز ہی کا حساب کر کے اسے جانچ لیجیے۔

آپ دوسروں کو بے احتیاط، بد زبان، دروغ گو، مفتری، عیب چیں، فتنہ پرداز، سخن چیں قرار دینے میں اکثر جلدی فرما دیا کرتے ہیں، لیکن خود اپنی روزانہ گفتگوؤں کو کبھی آپ نے اس پیمانہ سے ناپا ہے جو آپ دوسروں کے لیے ہر وقت ہاتھ میں لیے رہتے ہیں؟ کیا آپ کے خیال میں آپ کی گفتگو سے متعلق آپ پر کوئی باز پرس نہ ہوگی؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا جا رہا ہے، یہ کہیں اور حرفاً قلم بند نہیں ہوتا جا رہا ہے؟ کیا آپ کے نزدیک آپ کی زبان ہر قسم کی ذمہ داری سے آزاد اور مستثنیٰ ہے؟ کیا آپ کے عقیدہ میں صدق مطلق کا یہ وعدہ کہ انسان کوئی بات نہیں بولتا، ﴿مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ مگر یہ کہ اُس کے لیے ایک نگہبان تیار رہتا ہے، (نعوذ باللہ) جھوٹ ہے؟ یا آپ کو یہ اطمینان ہے کہ آپ کی زبان سے جو کچھ نکل رہا ہے کم از کم اُس پر کسی کو گرفت نہیں ہو سکتی؟ اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے تو پھر آپ اپنی گفتگوؤں کی طرف سے اس قدر مطمئن، بے پروا، اور بے خوف کیوں ہیں؟ کیا قہر اس کے، کہ دوسرے کے سامنے حساب دینا پڑے، خود ہی اپنے سے حساب لینا بہتر نہ ہوگا؟

تاریخ اور تذکروں میں آپ پیغمبروں، بزرگوں اور اخلاق و روحانیت کے بڑے بڑے مقدس و برگزیدہ رہبروں کے حالات پڑھ چکے ہیں، کیا (نعوذ باللہ) ان میں سے کوئی بھی ’یا وہ گو‘ گزرا ہے؟..... خود اپنا تجربہ و مشاہدہ آپ کو کیا بتاتا ہے؟ زیادہ گوئی سے جھگڑے اور فساد بڑھتے ہیں، لوگوں کو ملال و عناد پیدا ہوتا ہے، اپنے قلب پر غفلتوں کا پردہ اور گہرا ہوتا جاتا ہے، آپس کی رنجشیں اور بدگمانیاں بڑھتی ہیں، اپنے نامہ اعمال میں جھوٹ، مبالغہ، طعن، غیبت، خود بینی، غصہ، سخت کلامی، وغیرہ کے عنوانات میں اور اضافہ ہوتا رہتا ہے، یا اس کے برعکس سکون خاطر و اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے، روح کو تسلی و تسکین نصیب ہوتی ہے، اور اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا ہوتا معلوم ہوتا ہے؟ اگر آج ہم میں سے ہر شخص محض اتنا عزم کر لے کہ آئندہ سے اپنی زبان اپنے قابو میں رکھے گا، تو ذاتی اور خاندانی، شخصی اور قومی، کتنی خرابیوں، کتنی رنجشوں، کتنے فتوں کا اسی لمحہ اور اسی آن خاتمہ ہو سکتا ہے! ﴿قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾ (بات کہو تو پکی اور مضبوط) کا فرمان جہاں وارد ہوا ہے، وہیں معایہ بشارت بھی دے دی گئی ہے کہ ﴿يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ﴾ (تمہارے عملوں کی اصلاح ہو جائے گی، تمہارے گھرے ہوئے کام بن جائیں گے)۔ کاش ایک مرتبہ بھی، ہمیں اس خدائی نسخہ پر عمل کی توفیق ہو جائے!

[ہفتہ وار سچ، لکھنؤ۔ شمارہ: ۲۲، ۱۵، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ۔ جلد: ۲ (ایڈیٹر: مولانا عبدالماجد دریا بادی)]

فہرست

1	راستے میں بیٹھنے کا حق	جواہر پارے
2	سچی باتیں	کلمۂ طیبہ
5	غیر معتدل کون؟	اداریہ
7	تفسیر باللغة..... ①	علوم تفسیر
11	احرام کی حالت میں..... ② آخری	تحقیق و تنقید
16	غصہ ضبط کرنے کی فضیلت	اخلاق و کردار
20	عالم الغیب کون؟	مقالات
25	مولانا محمد عبداللہ اور ان کا خاندان	تذکرہ علمائے اہل حدیث
31	”لوٹ“ نام سے اعراض کیوں؟	نقطۂ نظر
35	قرآنی رباعیات	شعر و ادب
	(حافظ احمد شاکر)	
	(حافظ محمد شہباز حسن)	
	(مولانا عبدالرحمن ضیاء)	
	(حافظ ثار مصطفیٰ)	
	(عبدالرحمن اثری)	
	(ابراہیم خلیل، حجرہ)	
	(عطا محمد جنجوعہ)	
	(عبدالعزیز خالد)	

اطاعت رسول میں ہدایت ہے

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ط وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ط وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ﴾

[النور: ۵۴]

”کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو، پھر اگر تم نہ مانو گے تو رسول کا بوجھ اس پر ہے اور تمہارا بوجھ تم پر، اور اگر تم رسول کے کہے پر چلو گے تو سیدھی راہ پر لگ جاؤ گے، اور رسول ﷺ پر سوائے پہنچا دینے کے اور کچھ نہیں۔“

قرآن و سنت کے علم کی برکات

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ، وَنَزَلَ الْقُرْآنُ فَقَرَأُوا الْقُرْآنَ وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ» [صحیح البخاری، رقم: ۷۷۷۶]

”امانت داری آسمان سے بعض لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں اتری (یعنی ان کی فطرت میں داخل ہے۔) اور قرآن مجید نازل ہوا تو انھوں نے قرآن مجید کا مطلب سمجھا اور سنت کا علم حاصل کیا (تو قرآن و حدیث دونوں سے اس ایمان داری کو جو فطرتی تھی پوری قوت مل گئی۔)“

23 فروری تا یکم مارچ 2007ء..... (220)..... 5 صفر 1427ھ

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

”گناہ کو دور ہٹانے اور نیکی کرنے کی کوئی طاقت نہیں مگر اللہ (کی توفیق) کے ساتھ۔“

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ» قُلْتُ: بَيْتُكَ رَسُولُ اللَّهِ، قَالَ: «أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ» قُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ: فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي، قَالَ: «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» [رواه البخاری: ۶۴۰۹]

”ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبد اللہ بن قیس! میں نے عرض کی: میں حاضر اللہ کے رسول! فرمایا: کیا میں تمھیں ایسے کلمے سے آگاہ نہ کروں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ فرمایا: «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ»

غیر معتدل کون؟

حافظ احمد شاہ

اداریہ

جناب بش مسلم امہ کے عموماً اور پاکستانی مسلمانوں کے خصوصاً درد آشنا بلکہ اُن کے درد سے لبریز ہیں، اور آج کل اسلام کا درد بھی اُنھیں بہت ستارہا ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کو بھی معتدل ہونا چاہیے۔ کیوں کہ ان کی شب و روز کی تنگ و تاز سے بعض ممالک کے عوام اور بعض ملکوں کے حکمران ”بہت حد تک“ معتدل ہو چکے ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ جب حکمران اعتدال پسند ہو چکے ہیں تو عوام بھی ”الناس علی دین ملوکھم“ کے مطابق معتدل بالآخر ہو ہی جائیں گے۔ پریشانی ان کو یہ ہے کہ اسلام معتدل نہیں ہو رہا۔ جب کہ ان کے وفا شعار، خدمت گزار اور اول درجے کے حلیف ایک نظریاتی مملکت میں بہت ہمت و جرأت سے عوام کو معتدل بنانے کے لیے نصابی کتابوں، اور ذرائع ابلاغ سے انتہا پسندی (یعنی اسلامی تعلیمات) ہی کو نہیں سکیڑ رہے بلکہ وطن عزیز کے مستقبل کے معماروں اور نوخیز نسل کے ذہنوں کو اعتدال پر لانے کے لیے ان کو ہندومت سے بھی متعارف کرانے اور اس کے اکابر سے آشنا کرانے کے لیے ہندومت کو داخل نصاب کرنے کی خواہش پیہم رکھتے ہیں، جس کی اخبارات میں خبریں آنا شروع ہو گئی ہیں۔ پہلے تو تعلیمی نصاب میں صلیبی، یورپی بلکہ مغربی کلچر، مغربی فکر اور مغربی معاشرت کی بھرمار تھی اور انھی کی برتری سے معمور تاریخ و مضامین اور کہانیاں بچوں کو پڑھائی جاتی تھیں، اب تعلیمی بزرگھروں کو یہ بات سمجھ میں آئی کہ اعتدال کے لیے ہندوؤں کا علم و تاریخ بھی ضروری یا شاید بھی ضروری ہے۔ ممکن ہے اس تازہ واردات کا باعث یہ ہو کہ ہماری نسل اُس قوم کے ظلم و ستم اور قہر و جبر سے جس بنا پر نجات دلائی گئی تھی وہ سوچ اور فکر صحیح نہ تھی کہ ہم وجہ علیحدگی..... یعنی نظریہ پاکستان..... کے ثمرات تو حاصل نہ کر سکے لہذا آئندہ نسل تک ہندو مذہب کی تعلیمات پہنچائی جائیں تاکہ سیدہ چاکان چمن سرحدوں پر ہی سینے چاک کر کے نہ ملیں بلکہ ان کو سرحدوں کے اندر تک ملاپ کی آسانی ہو جائے۔

ہاں! تو بات شروع ہوئی تھی جناب بش کے درد اعتدال کی کہ اب وہ پاکستان کے حکمرانوں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ آپ اسلام کو مزید معتدل بنائیں گویا کہ اب تک جو کچھ اس عنوان پر کیا جا چکا ہے وہ نا کافی ہے۔ سبحان اللہ!۔

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے تنگ و نام ہے یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں اور بسنت پر اس قدر اصرار و تکرار بھی شاید اعتدال کی اسی خواہش خوابیدہ کا حسین اظہار ہو۔

یہ تو ممکن نہیں کہ امریکی شہ دماغ یہ نہ جانتے ہوں کہ اسلام کس قدر معتدل یا غیر معتدل ہے تاہم دل چاہتا ہے کہ اس موضوع پر چند گزارشات پیش کر دی جائیں۔

(اسلام حقوق انسانی کا پہلا علم بردار ہے جس نے والدین کے حقوق کی تعلیم دی، ان کی اہمیت بتائی، اولاد کو ان کے مقام و مرتبہ بتایا اور سمجھایا، اُن کی خدمت کی ترغیب دلائی، اس کام کے اجر و ثواب اور عظمت و اہمیت سے آگاہ کیا حتیٰ کہ اُن کی وفات کے بعد اُن کے لیے مغفرت طلب کرتے رہنے کی طرف تاکید و توجہ دلائی۔ ساتھ ہی والدین کو اولاد کی پرورش، اُن کی دینی و اخلاقی تربیت، زیور تعلیم سے اُن کی آراستگی، نیز بلوغت کے بعد اُن کی شادیوں تک کی ذمہ داری انھیں سونپی۔ خصوصاً بچیوں کی ولادت پر اُن کی پرورش اور تربیت کے بارے میں آپ ﷺ نے احادیث میں جنت کی بشارت دی۔ نیز بچوں کی وفات پر والدین کو صبر کرنے کی تلقین فرمائی، ایک دو بچوں کی وفات پر جنت ملنے کا یقین دلایا، بعض احادیث میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ نیک اولاد کی دعاؤں سے فوت شدہ والدین کو قبر میں فائدہ پہنچتا ہے۔ جب کہ امریکا بلکہ پورے یورپ میں سولہ سال کی عمر کے بعد بچے والدین کی دسترس سے آزاد ہو کر کھلم کھلا جو چاہیں کریں والدین کا ان پر کوئی اختیار نہیں رہتا۔ باقی رہی والدین کی خدمت،

ان کا حق اور نگہداشت تو اس کے لیے ہر غیر مسلم حکومت نے اولڈ ہوم یعنی ”بوڑھا ہاؤس“ بنا رکھے ہیں جہاں یورپ کی معتدل دنیا اپنے والدین کو ”جمع“ کرا جاتی ہے۔ ”سعادت مند“ اولاد اولڈ ہوم کو ماہانہ اخراجات دیتے ہیں اور عموماً ان کو والدین کی وفات پر ان کی تجہیز و تکفین اور تدفین کی فرصت نہیں ہوتی، وہ باہر بیٹھے ہی اس کے اخراجات ادا کر کے اولاد ہونے کے ”فرض“ سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اسلام نے مال کا مانے، جمع کرنے، تجارت کرنے اور جائیدادیں بنانے سے منع نہیں کیا، اور نہ شخصی ملکیت کو حرام قرار دیا۔ ہاں ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے، کسی کا حق کھانے اور کسی انسان بلکہ جانور پر بھی ظلم و تعدی سے سختی سے منع کیا ہے۔ لیکن دولت کو گردش میں رکھنے، دیانت دارانہ تجارت کرنے کی بایں شرط حوصلہ افزائی کی ہے کہ مال دنیا کی زکوٰۃ کی مختلف اقسام مقرر کردی ہیں اور تمام دولت پر چاہے وہ کتنی ہی ہو ایک ہی شرح سے سالانہ زکوٰۃ ادا کرنے کو دین کا حصہ بنادیا، صدقات کی رغبت، اہل و عیال کے اخراجات خصوصاً بیویوں کے بارے میں کہ ان کی ضروریات کا مکمل خیال رکھو، رشتہ داروں سے..... مالی..... حسن سلوک، پڑوس کا دھیان رکھنے کی ہدایت کی ہے اور مستحقین کی قرآن کریم میں تعین بھی فرمادی۔ نیز مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب کے ساتھ ساتھ نہ کھلانے والوں کے لیے سخت وعید بیان فرمائی۔ گھر کے سربراہ اور وقت کے حکمران کو اپنے زیر کفالت انسانوں کی جواب دہی کا ذمہ ٹھہرا دیا۔ علاوہ ازیں عقیقہ، قربانی صدقہ الفطر جیسی مادت مقرر فرما کر مستحقین کو خوشیوں میں شریک کرنے اور ان میں خوشیاں بانٹنے کا حکم دیا۔ رمضان المبارک میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی فضیلت و اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا کہ ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا تک مل سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ غلاموں، ملازموں اور بے زبان چوپایوں کا خیال رکھنے کے احکام بھی صادر فرمائے، جب کہ اشتراکی نظام نے انسان کا حق ملکیت چھین کر اس کی اپنی خواہش، شوق اور ضرورت کو اس کی زندگی سے خارج کر دیا اور سرمایہ داری نظام نے سودی نظام کو رواج دے کر امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنانے کی پالیسی اپنائی، جس کی وجہ سے اعتدال پسند افراد اربوں کھربوں کے مالک ہیں اور دوسری انتہا میں لوگ بھوک، افلاس اور بیماریوں سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں۔

عورت کو اسلام نے چراغ خانہ بنا کر وہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا جو کسی اور دین، قانون یا معاشرے سے ملنا ممکن نہیں۔ پھر اس کو معاشرے کا حصہ بنا کر اس کی عفت و عصمت کی مکمل ذمہ داری اٹھائی اور اس کے حقوق و فرائض بھی بتا دیے، اُسے والدین، خاوند، اولاد کی جائیداد میں حصہ مقرر کر دیا، مرد کا حقوق برقرار رکھتے ہوئے اُسے بیوی کے حقوق ادا کرنے اور بچوں کی ولادت پر اجر و ثواب کی نوید بھی سنائی جب کہ یورپی معاشرہ نے عورت کو شمع محفل بنادیا، اس کو کمائی کے راستے پر ڈال کر بزم خویش خود کفیل بنادیا لیکن درحقیقت خاندانوں کی بربادی و تباہی اور گھروں کے اجڑنے کی ڈھلوان پران کو لڑھکا دیا ہے۔

اسی طرح اسلام نے مردوں کی کھیل کود کے لیے ایسی کھیلوں کا انتخاب کیا جو مرد میں مردانگی، شجاعت، بہادری اور ہمت و جرأت کی افزائش کا سبب بنیں۔ نیز گھڑ سواری، تیراکی، تیر اندازی وغیرہ جہاد کی نسبت سے سیکھنے پر دین و دنیا میں اجر عطا کرنے کی نوید سنائی۔ ایسے ہی جنگ میں اسلام نے کافروں سے جنگ کے اصول بھی طے فرمادیے کہ

① اولاً کفار کو اسلام کی دعوت دی جائے، ② پھر ان کو ذمی بن کر رہنے کے اسلامی اصول بتائے جائیں جن میں بنیادی طور پر، مسلمان حکومت غیر مسلموں کے جان و مال کے تحفظ کی ذمہ دار ہوتی ہے، ③ آخری صورت میں اگر جنگ کرنی ہی پڑ جائے تو فرمایا کہ رات بھر انتظار کرو اگر کفار کی بستی سے اذان کی آواز آجائے تو پھر رک جاؤ اور نہ آئے تو حملہ کرو لیکن بوڑھوں، خواتین اور بچوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، جو پناہ مانگے اس کو پناہ دے دو۔

لیکن دورِ حاضر کے معتدل حکمران دھمکیاں دے کر نہتے اور بے سروسامان انسانوں پر شب خون مارتے ہیں، خواتین، بوڑھوں اور بچوں پر نہ صرف بے دریغ ہاتھ اٹھاتے ہیں بلکہ ان کو تاک کر ان پر حملہ کر کے اپنی دہشت پھیلاتے ہیں۔ ان چند نکات کو سامنے رکھ کر اب فیصلہ کرنا اتنا مشکل نہیں رہا کہ اسلام معتدل دین ہے یا دنیا میں وسعت پذیری کے جنون میں مبتلا صلیبی اور صہیونی منصوبہ ساز۔

میں اپنا پتا آپ بتاؤں تو کیا مزہ کیجیے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد (جگر)

تفسیر بالغة

میں لفظ کے مختلف معانی میں سے ایک معنی کی تعیین و ترجیح کے اصول

حافظ محمد شہباز حسن (لیکچرر: شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی)

”یَوْمَ“ ہے جب ہم اس کے معنی و مفہوم کو دیکھتے ہیں تو وہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ مصدر ”رَجَعَ“ سے متعلق ہو یعنی إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ لَقَادِرٌ ”کہ وہ اس دن میں لوٹانے یعنی دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔“ لیکن اعراب اس تفسیر میں رکاوٹ بنتا ہے کیوں کہ مصدر اور اس کے معمول (جو کہ یہاں ”یَوْمَ“ ہے) کو علیحدہ کرنا درست نہیں۔ ایسی صورت حال میں عامل ایک فعل مضموم کو بنایا جاتا ہے جس کی مصدر دلالت کرتا ہو۔“ [امام بدر الدین محمد عبد اللہ الزرکشی: البرہان فی علوم القرآن: ۱/ ۳۰۹، دار المعرفۃ للطباعة والنشر، بیروت۔ لبنان]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لَمَقْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ﴾

[المومن: ۱۰]

”جو لوگ کافر ہیں ان کو پکار کر کہہ دیا جائے گا جتنا تم اپنی جان سے بیزار ہو اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ تم سے بیزار تھا جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم نہیں مانتے تھے۔“ صاحب برہان لکھتے ہیں:

”معنی و مراد کا تقاضا ہے کہ إذ، مقت سے متعلق ہو جب کہ اعراب اس میں رکاوٹ ہے کیوں کہ اس طرح مصدر اور اس کے معمول میں ضمیر کی وجہ سے فاصلہ آ جاتا ہے تو ایسا فعل

معنی و مفہوم اور اعراب میں اختلاف کی صورت میں اصولی ترجیح

عبارت کی اعرابی حالت کا بعض دفعہ تقاضا اور ہوتا ہے جب کہ عبارت کسی اور مفہوم کی متقاضی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قَدْ يَتَجَادَبُ الْمَعْنَى وَالْإِعْرَابُ الشَّيْءُ الْوَاحِدُ بَأَن يُوجَدَ فِي الْكَلَامِ أَنَّ الْمَعْنَى يَدْعُو إِلَى أَمْرٍ وَالْإِعْرَابُ يَمْنَعُ مِنْهُ وَالتَّمَسُّكُ بِهِ صِحَّةُ الْمَعْنَى وَيُؤَوَّلُ لِصِحَّةِ الْمَعْنَى الْإِعْرَابُ - [جلال الدین سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۸۲، ط: ۲، ۱۴۰۰ھ]

۱۹۸۰ء۔ سہیل اکیڈمی چوک اردو بازار۔ لاہور]

”کبھی معنی اور اعراب کے لحاظ سے کلام میں کسی ایک چیز پر کشمکش ہوتی ہے۔ معنی ایک کام کی طرف بلاتا ہے جب کہ اعراب اس سے روکتا ہے۔ اس صورت میں صحت معنی کو لیا جائے گا اور مفہوم کی درستی کی خاطر اعراب کی تاویل کی جائے گی۔“

مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ﴾

”بے شک وہ اس کو اس دن دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے جس دن چھپی باتیں جانچی جائیں گی۔“ [الطارق: ۹۰۸]

زرکشی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ”ظرف جو کہ یہاں

پوشیدہ تسلیم کیا جائے گا جس کی مقت رہنمائی کرے۔“

[البرهان: ۱/ ۳۰۹]

ایک اور مقام پر اسی طرح کا فرق موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۖ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۖ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ﴾

[العاديات: ۹-۱۰]

”کیا وہ نہیں جانتا کہ جب اٹھایا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے۔ اور جو کچھ سینوں میں ہے اسے حاصل کیا جائے گا۔ تو ان کا رب اس دن ان سے خوب خبردار ہوگا۔“

”معنی کا تقاضا ہے کہ ”اذا“ کا عامل ”خبیر“ ہو جب کہ اعراب اس سے روکتا ہے کیوں کہ ”ان“ کا مابعد اپنے ماقبل پر عمل نہیں کرتا تو اس کے لیے عامل کو مقرر کرنا پڑتا ہے۔“

[البرهان: ۱/ ۳۱۰]

آیات کا مفہوم یہ ہے:

فَهُوَ خَبِيرٌ بِهِمْ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ -

”جو کچھ قبروں میں ہے جب اس کو اٹھایا جائے گا تو وہ ان سے خوب باخبر ہوگا اور جو کچھ سینوں میں ہے اس کو نکال لیا جائے گا۔“

تفسیر القرآن کرتے وقت اعراب کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ خاطر رکھنا ضروری ہے:

(۱) گرامر کے کسی قاعدے کو بچانے کے لیے قرآن مجید کے معانی میں تحریف کرنا درست نہیں۔ جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقَدْ يُقَدَّرُ بَعْضُ النَّحْوَةِ مَا يَقْتَضِيهِ عِلْمُ النَّحْوِ لَكِنْ يَمْنَعُ مِنْهُ أَدَلَّةُ شَرْعِيَّةٍ فَيُتْرَكُ ذَلِكَ التَّقْدِيرُ وَيُقَدَّرُ

تَقْدِيرٌ آخَرُ يُلَيِّقُ بِالشَّرْعِ -

[محاسن التاویل: ۱/ ۲۶۲]

”بعض دفعہ نحوی ایسی تقدیر کلام میں ٹھہراتے ہیں جس کا علم النحو تقاضا کرتا ہے مگر شرعی دلائل اس سے روکتے ہیں تو وہ (خلاف شرع تقدیر) چھوڑ دی جائے گی اور کوئی اور تقدیر مانی جائے گی جو شریعت کے مطابق ہو۔“

مثال کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے:

﴿إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ﴾ [المائدة: ۱۱۶]

”اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تیرے علم میں ہے۔“

ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”حرف شرط فعل ماضی پر داخل ہوا ہے یہ حتی بات ہے کہ اس میں ماضی کا ہی مفہوم ہے کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے یا تو اس وقت یہ کلام صادر ہوا جب ان کا رفع الی السماء ہو چکا تھا یا اس بات کو حکایتاً بیان کیا گیا جو وہ روز قیامت کہیں گے۔ دونوں تقدیروں میں شرط اور اس کی جزا کا تعلق ماضی سے ہے۔ کہنے والے کی یہ بات درست نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بات آسمانوں پر اٹھائے جانے سے قبل دنیا میں کہی جس مفہوم کے لیے یہ تقدیر ٹھہرائی جائے: إِنْ أَكُنْ أَقُولُ هَذَا فَإِنَّكَ تَعْلَمُهُ ”اگر میں یہ کہوں تو تو جانتا ہے۔“ یہ آیت کے مفہوم میں تحریف ہے کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب تو اللہ تعالیٰ کے اس بارے میں ان سے سوال کرنے پر ہے۔ جب وہ اپنی قوم کے درمیان موجود تھے اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال ہی نہیں کیا تھا اور نہ ان کی قوم نے ان کو اور ان کی ماں کو دو معبود ہی بنایا تھا ایسا تو رفع مسیح کے صدیوں بعد ہوا ہے۔ ابن قیم لکھتے ہیں:

فَلَا يَجُوزُ تَحْرِيفُ كَلَامِ اللَّهِ إِنْتِصَارًا لِقَاعِدَةِ نَحْوِيَّةٍ، هَذِهِ مِائَةٌ مِنْ أَمْثَالِهَا أَسهَلُ مِنْ تَحْرِيفِ مَعْنَى الْآيَةِ - [ابن قیم الجوزیه، بدائع الفوائد: ۱/ ۴۵،

اداره الطباعة المنيرية۔ مصر]

”کسی نحوی قاعدے کی حمایت میں کلام اللہ میں تحریف کرنا جائز نہیں، آیت کے مفہوم میں تحریف کرنے کی بجائے ایسے سینکڑوں قواعد کو منہدم کرنا زیادہ آسان ہے۔“

(ب) تفسیر القرآن باللغة کے لیے اعراب سے متعلق ایک قاعدہ یہ ہے کہ صرف کسی نحوی یا لغوی احتمال کی وجہ سے کلام اللہ کا مفہوم نہیں بدلا جاتا اور نہ ترکیب کلام میں کسی اعرابی حالت کے احتمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مراد کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اگر کہیں ایسی صورت حال ہو کہ اعرابی حالت اللہ تعالیٰ کی غرض مراد لینے میں رکاوٹ ہو تو اس کے بارے میں زرکشی لکھتے ہیں:

وَتَفْسِيرُ الْمَعْنَى لَا يَضُرُّ مُخَالَفَةَ ذَلِكَ -

[البرهان في علوم القرآن: ۱/ ۳۰۴]

”تفسیر میں کلام کی اصل غرض مراد لی گئی ہو تو اعراب کی مخالفت اس کو نقصان نہیں پہنچاتی۔“

بعض مفسرین صرف احتمال نحوی کی وجہ سے عبارت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اغلاط کے مرتکب ہوئے۔ امام ابن قیم نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور مثالیں دے کر غلطیوں کی نشان دہی بھی کی ہے، لکھتے ہیں:

”اس کی مثال بعض لوگوں کا ﴿وَالْأَرْحَامُ ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ [النساء: ۱] میں الارحام کو مجرد پڑھنا ہے۔ وہ یہاں واؤ کو قسمیہ قرار دیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال بعض لوگوں کا آیت کریمہ ﴿وَوَصَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكَفَرُوا بِهِ وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ [البقرة: ۲۱۷] میں المسجد کو مجرد قرار دینا ہے۔ یہ بات وہ اس بنیاد پر قرار دیتے ہیں کہ ”بہ“ میں مجرد ضمیر پر عطف کی وجہ سے المسجد کا لفظ بھی مجرور ہے (تو مفہوم ”مسجد حرام سے روکنے“ کی بجائے ”مسجد حرام سے کفر کرنا“ بن جاتا ہے۔) اسی طرح بعض حضرات کا یہ کہنا کہ آیت ﴿لَيْكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ

قِيلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ﴾ [آل عمران: ۱۶۲] میں المقيمین واؤ قسمیہ کی وجہ سے مجرور ہے (تو اس طرح نماز قائم کرنا اہل ایمان کی صفت نہیں ہوگی بلکہ معنی ہوگا ”نمازیوں کی قسم“) اس قسم کی بہ کثرت مثالیں موجود ہیں۔“ [بدائع الفوائد: ۲۸/۳]

قرآن مجید کا ایک خاص عرف ہے اس کے الفاظ ملوک الالفاظ ہیں، فصاحت میں بھی بے مثال ہیں۔ اس لیے تفسیر قرآن میں الفاظ قرآن کے عرف کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَلَا يَجُوزُ حَمْلُهُ عَلَى الْمَعَانِي الْقَاصِرَةِ بِمَجَرَّدِ الْإِحْتِمَالِ النَّحْوِيِّ الْإِعْرَابِيِّ -

”محض کسی نحوی اعرابی احتمال کی وجہ سے قرآن کو ناقص معانی پر محمول کرنا جائز نہیں۔“ [بدائع الفوائد: ۲۸/۳]

ابن قیم رحمہ اللہ اس اصول کو اہم اصول تفسیر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَهَذَا أَضَلُّ مِنْ أَصُولِهِ بَلْ هُوَ أَهْمُ أَصُولِهِ -

”تفسیر کے لیے یہ چیز اصل الاصول ہے بلکہ اہم اصول تفسیر میں سے ہے۔“ [بدائع الفوائد: ۲۸/۳]

(ج) لغت و اعراب سے تفسیر کے وقت بعید تقدیرات اور پیچیدہ مجازات سے اجتناب ضروری ہے۔ زرکشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تُجَنَّبُ التَّقَادِيرُ الْبَعِيدَةُ وَالْمَجَازَاتِ الْمُعَقَّدَةُ وَلَا يَجُوزُ فِيهِ جَمِيعُ مَا يُجَوِّزُهُ النَّحَاةُ فِي شِعْرِ أَمْرِي الْقَيْسِ وَغَيْرِهِ - [البرهان: ۱/ ۳۰۶]

”بعید لفظ کو مقدر ماننے اور پیچیدہ مجازات سے بچنا چاہیے۔“ تفسیر قرآن میں ہر اس چیز کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا جس کو نحوی امری القیس وغیرہ کے اشعار میں جائز قرار دیتے ہیں۔“ بدائع الفوائد میں اس مسئلے کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [الاعراف: ۵۶]

سے دی گئی ہے۔ اس میں کئی قسم کی اعرابی حالتیں تسلیم کی گئی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں موصوف حذف کیا گیا ہے اور صفت (قرب) کو اس کے قائم مقام ٹھہرایا گیا ہے گویا عبارت یوں ہے: **لِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ شَيْءٍ قَرِيبٍ مِنَ الْمُحْسِنِينَ** یا ”لطفِ قریب“ یا ”برِ قریب“..... اس آیت میں تین وجوہ اعراب کو صاحب کتاب نے ضعیف قرار دیا۔ دوسری وجہ اعراب کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:
ويحرم تحريما غليظا أن يفسر القرآن بما لا يقتضيه جوهر اللفظ - [جلال الدين سيوطي: التحرير في علم التفسير، ص: ٣٢٥، ٣٢٦، ط: دار نشر الكتب الإسلامية - لاهور]

”لفظ کا جوہر جس کا تقاضا نہیں کرتا اس سے قرآن کی تفسیر کرنا سخت حرام ہے۔“
سیوطی لکھتے ہیں:

جس طرح بدعتی ابن عربی نے کیا ہے جس کی طرف کتاب الفصوص (فصوص الحکم) منسوب ہے جو کفر محض ہے یا جیسے بعض محدثین سے قرآن کی آیت ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ﴾ [البقرة: ٢٥٥] کی تفسیریوں بیان کی جاتی ہے:
”مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ“ کہ من ذل ”جس نے ماتحت کر لیا، ذی ”نفس“ کی طرف اشارہ ہے۔ یشف ”شفایا پاتا ہے“ من کا جواب ہے اور فع فعل امر ہے جو الوعی (پیپ) سے لیا گیا ہے۔ [التحبير، ص: ٣٢٦]

مفہوم یہ بنتا ہے کہ کون ہے جو نفس کو رام کرے کہ پیپ (گندگی) سے شفا پائے۔

سیوطی لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو آیت قرآنی ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ کی ایسی تفسیر کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے تو انھوں نے فرمایا کہ وہ ملحد ہے۔ [الاتقان: ١٨٤/٢]

[جاری ہے]



”شیء“ عام معلوم لفظ ہے جو کہ واجب اور ممکن سب پر محیط ہے، اس کو مقدر ماننے یا لفظوں میں بیان کرنے سے کوئی زیادہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا کہ اس سے کلام فصیح و بلیغ ہو جاتا ہو اور نہ کلام فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتا ہے۔ کسی کہنے والے کے اس کلام ”حائض وطامث (حائضہ) وطالق“ میں لفظ ”شیء“ مقدر مان کر کیا فصاحت آ جاتی ہے کہ عبارت کو یوں قرار دیا جائے: ”شیء حائض وشیء طامث وشیء طالق“ بلکہ اگر اس کی صراحت کی جائے تو سننے والا اس کو قبیح جانتا ہے۔ لہذا اس کو کلام مقدر کیسے مانا جاسکتا ہے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا کہ اس کا شے ہونا امر معلوم ہے وہ کسی مدح و ذم یا کمال اور نقص پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ [ص: ٢٧]

(د) ایسے اعراب سے اجتناب کیا جانا چاہیے جو ظاہر کلام اور نظم کلام کے مخالف ہو۔ زکشی لکھتے ہیں:

تُجَنَّبُ الْأَعَارِيبُ الَّتِي هِيَ خِلَافُ الظَّاهِرِ وَالْمُنَافِيَةِ لِنَظْمِ الْكَلَامِ - [البرهان: ٣٠٦/١]
ظاہر کلام اور نظم کلام کی مخالفت کی دو مثالیں زکشی نے بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ زختری نے سورۃ الحشر کی آیت نمبر آٹھ ﴿لِلْفُقَرَاءِ﴾ کو اسی سورۃ کی آیت نمبر سات ﴿وَالَّذِي الْقُرْبَى﴾ کا بدل قرار دیا ہے اور یہ (بدل اور مبدل منہ میں) بہت بڑا فاصلہ ہے۔ دوسری مثال انھوں نے یہ دی ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ فرمان الہی

احرام کی حالت میں شادی کرنا کیسا ہے؟

مولانا عبدالرحمن ضیاء (استاذ الحدیث جامعہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ)

ہوتی ہے۔

میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو ترجیح دینے کی وجوہات

نیز جیسا کہ جس نے بلا واسطہ سنا ہوا سے اس پر ترجیح ہوتی ہے جس نے پس پردہ یا بالواسطہ سنا ہو۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ

لَيْسَ الْخَبْرُ كَالْمُعَايَنَةِ - [الارشاد]

”سنی ہوئی بات آنکھوں دیکھی بات کی طرح نہیں ہوتی۔“

[مسند احمد: ۱/۲۱۵]

(۳) تُقَدَّمُ رِوَايَةُ مَنْ تَحَمَّلَ بَعْدَ الْبُلُوغِ عَلَى

مَنْ تَحَمَّلَ قَبْلَ الْبُلُوغِ - [الارشاد: ۸۹۷]

”جس راوی نے بعد از بلوغت حدیث سنی ہو اس کی حدیث کو

قبل از بلوغت سننے والے راوی کی حدیث پر ترجیح ہوگی۔“

چنانچہ مرعاة المفاتیح [۱/۱۸۲] میں ہے کہ محل کے وقت میمونہ اور ابورافع دونوں بالغ تھے جب کہ عبداللہ بن عباس وقت محل بالغ نہیں تھے۔

(۴) يُرْجَحُ رِوَايَةُ الْكَبِيرِ عَلَى رِوَايَةِ الصَّغِيرِ

”یعنی بڑے کی روایت کو چھوٹے کی روایت پر ترجیح دی جاتی ہے۔“

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ عمر میں چھوٹے تھے جب کہ میمونہ اور ابورافع رضی اللہ عنہ عمر میں بڑے تھے۔“

(۵) يُقَدَّمُ الْمُصَرِّحُ عَلَى غَيْرِ الْمُصَرِّحِ -

”جو مصرح (اپنے مفہوم میں واضح) ہو اسے غیر مصرح یعنی

جن علماء نے میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو ترجیح دی ہے انھوں نے اس کے رائج ہونے کی کئی وجوہ ذکر کی ہیں اور عام طور پر اصول حدیث و اصول فقہ کی کتب میں بہت سی وجوہ ترجیح مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ حافظ عراقی نے اپنی کتاب ”مقدمہ ابن صلاح“ کی ”نسخ التقييد والايضاح“ میں سو سے بھی زیادہ وجوہ ذکر کی ہیں۔

اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے بھی ”ارشاد الفحول“ میں بہت سی وجوہ ترجیح ذکر کی ہیں ان میں سے کئی ایک وجوہ ہمارے اس مسئلہ پر منطبق ہو جاتی ہیں۔ مثلاً:

(۱) تُقَدَّمُ رِوَايَةُ صَاحِبِ الْقِصَّةِ وَالْوَاقِعَةِ

عَلَى غَيْرِهِ لِأَنَّهُ أَعْرِفَ بِالْقِصَّةِ - [ارشاد الفحول

محقق، ص: ۸۹۴]

”صاحب قصہ و واقعہ کی روایت کو غیر کی روایت پر مقدم کیا

جاتا ہے کیوں کہ صاحب قصہ اپنے قصہ و واقعہ کی دوسروں

سے زیادہ جانتا ہے۔“

(۲) میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تَزَوُّجُنِي ”میرے ساتھ

نکاح کیا“ کے الفاظ ہیں جب کہ ابن عباس کی روایت میں تَزَوُّجِ

کے الفاظ ہیں یعنی ”آپ ﷺ نے نکاح کیا“ تَزَوُّجُنِي کو تَزَوُّجِ

پر ترجیح ہوگی جس طرح کہ اصول حدیث کی کتب میں ہے کہ

سمعت ”میں نے اسے کہتے سنا“ کو قال ”اس نے کہا“ پر ترجیح

غیر واضح (محتمل) پر ترجیح ہوگی۔“ [الارشاد: ۹۰۵]

عثمان کے عین مطابق ہے اور یہ اصول بھی ارشاد اور تنقید میں لکھا ہوا ہے کہ

”يُقَدَّمُ مَا كَانَ قَوْلًا عَلَى مَا كَانَ فِعْلًا“

[الارشاد: ۹۰۵، التقييد: ۲۴۷]

یعنی قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔

یہ اصول تحفۃ الاحوذی میں استدبار قبلہ اور استقبال قبلہ والے مسئلے میں دیکھ لیجیے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ ان میں کوئی جمع و تطبیق نہ ہو سکتی ہو ورنہ جمع ہی ہوگا۔ جیسا کہ ”امام جب کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بیٹھ کر نماز پڑھیں“ والے مسئلہ میں مرعاة المفاہیح میں اس امر یعنی (فَصَلُّوا جُلُوسًا) کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ یعنی نبی ﷺ کے آخری فعل (یعنی آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے تھے) کو قرینہ صارفہ بنایا ہے جب کہ امام بخاری، حمیدی اور زہری قول کے نسخ کے قائل ہیں، حالاں کہ فعل قول کے لیے نسخ نہیں ہوا کرتا۔

ادھر اگر صرف عبد اللہ بن عباس کی روایت ہوتی اور میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت بالکل نہ ہوتی تو امکان تھا کہ آپ کے فعل (یعنی احرام کی حالت میں نکاح) کو آپ کے قول (یعنی لا ینکح المہرم۔ السخ) کے لیے قرینہ صارفہ بنالیا جاتا یعنی اس سے نہی تنزیہی مراد لے لی جاتی، جیسا کہ بعض اہل علم نے ایسے کیا بھی ہے۔ ممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہو لیکن میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت چوں کہ موجود ہے اور اس کے لیے وجہ ترجیح بھی پائی جاتی ہیں اور ابن عباس کی روایت میں متعدد احتمالات بھی ہیں لہذا احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کے قولی فرمان کی وجہ سے بالخصوص امت کے حق میں یہ تینوں کام یعنی نکاح، انکاح اور خطبہ ناجائز ہی قرار دیے جائیں۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ قولی روایت میں عموم ہوتا ہے جو امت کے لیے کسی چیز کو عام مشروع کرتا ہے جو کہ ایک قاعدہ کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔

اس لیے کہ جس میں دو یا زیادہ احتمالات ہوں وہ متشابہ کے قبیل سے ہوتی ہے اور جس میں صرف ایک ہی احتمال ہو وہ محکم کے قبیل سے ہوتی ہے۔ اب یہ بات بدیہی ہے کہ مسئلہ کی بنا محکم پر ہوتی ہے محتمل پر نہیں۔ بلکہ متشابہ کا وہی مفہوم مراد لیا جاتا ہے جو محکم کے مطابق ہو۔ لہذا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا ایسا مطلب نہیں بیان کیا جائے گا جو میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے منافی ہو بلکہ اس کی کوئی مناسب توجیہ کی جائے گی تاکہ ظاہری تعارض زائل ہو جائے جیسا کہ التعلیق المغنی، التعلیقات السلفیہ اور فتح الباری کے حوالہ سے یہ بیان ہو چکا ہے، اور امام ابن حبان رحمہ اللہ کا تفصیلی بیان پیش کیا جا چکا ہے۔

(۶) اَنْ يَكُوْنَ أَحَدُهُمَا مُوَافِقًا لِسُنَّةِ أُخْرَى -

”ان دونوں میں سے ایک کسی دوسری سنت و حدیث کے موافق ہو تو اسے ترجیح ہوگی۔“

اب دیکھیے حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا ایک دوسری قولی حدیث یعنی حدیث عثمان رضی اللہ عنہ «لَا يَنْكِحُ الْمُحْرَمُ وَلَا يَنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ» کے عین مطابق ہے لہذا اسے ترجیح ہوگی۔

(۷) يُقَدَّمُ مَا عَصَدَهُ دَلِيلُ الْآخَرِ عَلَى مَا لَمْ

يُعَصِدَهُ دَلِيلُ الْآخَرِ - [الارشاد: ۹۰۵]

”دونوں میں سے جسے کوئی دوسری دلیل تقویت پہنچائے اسے اس پر ترجیح ہوگی جسے دوسری دلیل تقویت نہ پہنچا رہی ہو۔“

اب ادھر حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا کو حدیث عثمان رضی اللہ عنہ تقویت پہنچا رہی ہے، نیز ابورافع اور صفیہ بنت شیبہ کی حدیث بھی اسے تقویت پہنچا رہی ہے۔ بلکہ صفیہ رضی اللہ عنہا تو قسم کھا کر کہتی ہیں کہ آپ نے حلال ہونے کی حالت میں شادی کی تھی جیسا کہ طبرانی کے حوالے سے پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

(۹) پھر میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث، قولی حدیث، یعنی حدیث

(۱۰) میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو اگر ہم ترجیح دیتے ہیں تو اس پر یہ چیز مرتب ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے بھی اپنے اس قول (یعنی نبی والے فرمان) پر عمل کیا تھا اگر ابن عباس کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں تو اس پر یہ نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

(۱۱) میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس لیے بھی رائج ہے کہ جن صحابہ کرام و غیرہم کو عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث پہنچی تھی انھوں نے محرم کو نکاح کرنے سے سختی سے منع کیا تھا ان میں سے کسی نے بھی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لے کر اس میں نرمی نہیں کی۔ ہاں البتہ جن کو حدیث عثمان نہیں پہنچی تھی ان میں سے بعض نے براءت اصلہ کی بنا پر محرم کا نکاح جائز قرار دیا ہے۔

①..... چناناں چہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ ایک آدمی محرم ہونے کی حالت میں کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے انھوں نے اس آدمی سے کہا:

”لَا تَزَوِّجْهَا وَأَنْتَ مُحْرِمٌ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ۔“

”تو احرام کی حالت میں اس کے ساتھ نکاح نہ کر کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔“

②..... طریف نے احرام کی حالت میں ایک عورت سے نکاح کیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ نکاح ہی رد کر دیا تھا۔ [موطا امام

مالک، دار قطنی، بیہقی، ج: ۷/۲۱۳، دیکھیے مرعاۃ: ۷]

③..... حسن بصری کا کہنا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”مَنْ زَوَّجَ وَهُوَ مُحْرِمٌ نَزَعْنَا مِنْهُ امْرَأَتَهُ“

”جو کوئی احرام کی حالت میں شادی کرے گا ہم اس کی بیوی

اس سے علیحدہ کر دیں گے۔“ [سنن کبریٰ، بیہقی: ۷/۲۱۳]

④..... زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام شوذب اور اس کی منکوحہ کے درمیان تفریق ڈال دی تھی کیوں کہ اس نے احرام کی حالت میں نکاح کیا تھا۔ [ص: ۲۱۳]

مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری سے یہ آثار نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”فَهَذِهِ الْأَثَارُ صَرِيحَةٌ فِي أَنَّ النِّكَاحَ الْمَنْهُيَّ عَنْهُ فِي الْأَحْرَامِ هُوَ التَّزْوِيجُ وَأَنَّ النَّهْيَ لِلتَّحْرِيمِ“

[مرعاۃ: ۷/۱۸۷]

”یہ آثار صحابہ و غیرہم اس بات میں صریح ہیں کہ جس نکاح سے احرام کی حالت میں منع کیا گیا ہے اس سے مراد تزویج (شادی کرنا) ہے، اور یہ نہیں تحریم کے لیے ہے۔“
اس مسئلہ (یعنی محرم کے نکاح کا حکم) اور میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ترجیح کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف بھی مراجعت کی جاسکتی ہے:

(۱)..... مغنی ابن قدامہ

(۲)..... عون المعبود شرح سنن ابی داؤد: ۲/

۱۰۷، ۱۰۶

(۳)..... تحفة الاحوذی شرح ترمذی: ۲/

۸۹، ۸۸

(۴)..... سبل السلام شرح بلوغ المرام: ۲/

۹۴۸، ۹۴۷

(۵)..... ارواء الغلیل للمحدث الالبانی: ۴/

۲۲۷، ۲۲۶

ان شارحین حدیث نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہم قرار دیتے ہوئے اسے مرجوح یا غلط قرار دیا ہے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دینے کی وجہ

جن علماء نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دی ہے اس کی

①..... ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ روایت صحیح بخاری و مسلم دونوں میں آئی ہے جب کہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت مسلم وغیرہ میں ہے۔

دوسرے علماء کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم میں اس کے آنے سے تو یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ ہی بیان کیا ہے، اس میں کوئی شک ہی نہیں۔ لیکن کیا ابن عباس کا یہ بیان میمونہ رضی اللہ عنہا کے بیان سے رائج بھی ہے تو یہ اس سے ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی وجوہ ترجیح سے یہ معلوم ہو ہی گیا ہے۔

[دیکھیے مرعاة المفاتیح: ۷/ ۱۸۲]

②..... دوسری وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کرنے میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ یہی روایت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کی ہے۔ [دیکھیے روایت عائشہ در

سنن کبریٰ بیہقی: ۷/ ۲۱۲، ۲۱۳ اور دیکھیے روایت ابی ہریرہ شرح معانی الآثار للطحاوی: ۳/ ۲۷۰ اور دارقطنی: ۳/ ۲۶۳]

دوسرے علماء کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی سند میں کامل ابو العلاء نامی راوی ضعیف ہے، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر

اولاً: تو غیر محفوظ ہے کیوں کہ سنن کبریٰ بیہقی میں ہے کہ اس کے راوی محدث ابو عاصم کی کتاب یا ان کے رقعہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں تھا۔ [۷/ ۲۱۲، ۲۱۳]

بلکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے بھی اسے ابن ابی ملیکہ کی مرسل قرار دیا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ یا تو مسروق بن اجدح یا ابن ابی ملیکہ تابعیوں کا قول ہے۔ امام بیہقی نے اس میں عائشہ کا ذکر غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ اسی لیے تو حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

مَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنَ الصَّحَابَةِ رَوَى أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرَمٌ إِلَّا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ وَرَوَايَةُ مَنْ ذَكَرْنَا مُعَارِضَةً لِرَوَايَتِهِ وَالْقَلْبُ إِلَى رَوَايَةِ الْجَمَاعَةِ أَمِيلٌ - لِأَنَّ

الْوَاحِدَ أَقْرَبُ إِلَيَّ الْغَلَطِ - [التمهید، ج: ۳/ ۱۵۳]

”ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے میں کسی کو نہیں جانتا کہ اس نے یہ روایت کیا ہو کہ نبی ﷺ نے میمونہ کے ساتھ احرام کی حالت میں نکاح کیا ہے، جن صحابہ کی ہم نے روایت ذکر کی ہے وہ عبداللہ بن عباس کی روایت کے خلاف ہے، جب کہ دل جماعت کی روایت کی طرف زیادہ مائل ہے اس لیے کہ اکیلے غلطی کا ہوجانا زیادہ ممکن ہوتا ہے۔“

قاضی عیاض بن موسیٰ تصحیح سنی رضی اللہ عنہ نے بھی حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے۔

ثانیاً: اگر یہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے محفوظ ثابت بھی تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ حافظ ابن حجر وغیرہ نے سمجھا ہے تو پھر بھی اس سے لازم نہیں آتا کہ ابن عباس کی روایت رائج ہے کیوں کہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس وجہ سے رائج قرار پائے گی کہ وہ خود صاحب واقعہ ہیں نیز ابو رافع جو اس نکاح میں سفیر تھے وہ بھی میمونہ کی موافقت کر رہے ہیں اور صفیہ بنت شیبہ نے قسم کھا کر بیان کیا ہے کہ یہ نکاح غیر محرم ہونے کی حالت میں انجام پایا تھا نیز یہ روایت قولی کے بھی عین مطابق ہے۔ نیز عبداللہ بن عمر سے بھی بسند ضعیف مروی ہے۔

ثالثاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی وہی احتمال اور توجیہ ہو سکتی ہے جو حافظ ابن حبان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس کی روایت میں ذکر کی ہے یعنی آپ ﷺ نے میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حرم میں نکاح کیا تھا۔

بہر حال میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو ہی ترجیح ہے۔ واللہ اعلم اگر ان دونوں فعلی روایتوں میں سے کسی کو بھی ترجیح نہ دی جائے تو پھر بھی قولی حدیث کے مطابق ہی فیصلہ ہوگا اور وہ اس طرح کہ اس مسئلہ میں وارد ہونے والی یہ دونوں فعلی روایتیں ایک دوسرے کے معارض ہونے کی وجہ سے مساوی ہیں اور کوئی بھی استدلال کے لائق نہیں۔ لہذا اب کسی تیسری دلیل کی طرف رجوع کرنا واجب ہے

اور وہ تیسری وہی حدیث عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہے جو قولی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مفہوم میں واضح ہے۔ چنانچہ حافظ الحدیث ابن عبد البر فرماتے ہیں:

”وَأَكْثَرُ أَحْوَالِ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنْ يُجْعَلَ مُتَعَارِضًا مَعَ رِوَايَةٍ مَنْ ذَكَرْنَا فَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ سَقَطَ الْإِحتِجَاجُ بِجَمِيعِهَا فَوَجَبَ طَلَبُ الدَّلِيلِ عَلَى هَذِهِ الْمُسْئَلَةِ مِنْ غَيْرِهِمَا فَوَجَدْنَا عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ نِكَاحِ الْمُحْرِمِ..... فَوَجَبَ الْمَصِيرُ إِلَى هَذِهِ الرِّوَايَةِ الَّتِي لَا مُعَارِضَ لَهَا.“ [التمهيد، ج: ۳/ ۱۵۲]

اور امام شوکانی نے بھی السیل الجرار [۲/ ۱۷۷۷] میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق فرمایا ہے:

اَوَّلُهُ: تو یہ مرجوح ہے اور میمونہ کی حدیث کو رائج قرار دیا ہے۔
ثَانِيًا: اس کے رائج ہونے کی صورت میں احتمال ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے متعلق علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر ہو چکا ہے کہ خاصہ ہونے کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار میں قولی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”فَالْحَقُّ أَنَّهُ يَحْرُمُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُحْرِمُ أَوْ يُزَوَّجَ غَيْرُهُ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْجُمْهُورُ.“

یعنی ”حق یہی ہے کہ محرم کا اپنی شادی کرنا بھی حرام ہے اور کسی کی شادی کرنا بھی حرام ہی ہے جیسا جمہور کا یہ مذہب ہے۔“

معنی ابن قدامہ میں بھی حرام ہی لکھا ہوا ہے۔ ان علماء نے یہ صورت صرف فرض کی ہے یعنی اگر ان دونوں فعلی روایتوں میں تعارض ہی سمجھ لیا جائے اور ان دونوں میں سے کسی کو بھی دوسری پر

ترجیح نہ دی جائے تو یہ دونوں ہی قابل احتجاج نہیں رہیں گی تو بھی اصل مسئلہ یہی رہے گا کہ محرم کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں اور اس کی دلیل وہ قولی روایت ہے۔

بہر حال ہمارے قابل احترام بزرگ مولانا عبد اللہ سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو تطبیق کا طریقہ اختیار کیا ہے اس سے اس قولی حدیث لا ینکح المحرم الخ کا تقاضا پورا نہیں ہوتا اس سے بہتر تطبیق تو امام ابن حبان رحمہ الرحمن ہی کی ہے جس سے کوئی حدیث بھی وہم یا مہمل قرار نہیں پاتی بلکہ اس سے تعارض سرے سے رہتا ہی نہیں اور ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو ترجیح دینے کی نوبت تو اسی صورت میں پیش آتی ہے جب کہ عبد اللہ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی کوئی توجیہ نہ کی جائے بلکہ اس کو عام متبادر الی الذہن معنی و مفہوم (یعنی احرام کی حالت میں نکاح کرنے) پر محمول کیا جائے۔



غصہ ضبط کرنے کی فضیلت

حافظ نثار مصطفیٰ

ارتکاب کر جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی وجہ سے غصہ میں آ ہی جاتا ہے تو اسلام اُسے کظم الغیظ اور غصے کو ضبط کرنے کا حکم دیتا ہے اور ساتھ ہی عفو و درگزر کرنے کو بھی کہتا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾

[الاعراف: ۱۹۹]

قرآن مجید میں اہل ایمان کا یہ وصف محمود بیان کیا گیا ہے کہ وہ غصہ کو پی جاتے ہیں اور ساتھ ہی عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللَّهُ يُحِبُّ

الْمُحْسِنِينَ﴾ [آل عمران: ۱۳۴]

انسان کو غصہ عموماً اُس وقت آتا ہے جب کوئی اس سے زیادتی کرے یا پھر ارتکاب خطا کرے۔ بہر دو صورت اہل ایمان عفو و درگزر کرتے ہیں۔

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حبر بن قیس نے عیینہ نامی شخص کے لیے حضرت عمر سے ملاقات کی اجازت مانگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ عیینہ کہنے لگا کہ اے عمر! نہ تو تو ہمیں صحیح حق دیتا ہے اور نہ ہی ہمارے درمیان عدل کرتا ہے۔ عیینہ کی یہ غلط، ناروا اور گستاخانہ بات سن کر حضرت عمرؓ اُٹھ گئے غصے میں آ گئے کہ اس کی پٹائی کرتے (مگر) حبر بن قیس (فوراً) بولے کہ اے امیر المومنین! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے:

دین اسلام ایک ہمہ جہت، ہمہ گیر، عالم گیر اور آفاقی مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط ہیں۔ دین اسلام زندگی چار روزہ کے تمام مسائل، ہر حالت و کیفیت اور ہر مرحلہ میں مکمل رہنمائی کرتا ہے خواہ وہ رنج و غم کی حالت ناگفتہ بہ ہو یا خوشی و مسرت کا پر لطف موقع ہو یا پھر غیظ و غضب کا نازک وقت ہو۔ غرض یہ کہ دین اسلام تمام حالات و کوائف زندگی میں اپنے تابع داروں کے لیے مشعل راہ ہے۔

مذہب اسلام میں غیظ و غضب کے سلسلے میں بڑی واضح اور عام فہم ہدایات موجود ہیں جن سے اس کے محاسن، اوصاف اور خوبیاں مزید نکھرتی اور عیاں ہوتی ہیں۔

سب سے پہلے اسلامی تعلیمات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ حتی الامکان اپنے آپ کو شرر ہائے غضب اور مہلک غیظ سے بچایا جائے ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے (وصیت کرتے ہوئے) فرمایا کہ کبھی غصہ میں نہ آ۔ وہ آدمی جس کو آپ نے وصیت فرمائی تھی کہتا ہے کہ مجھ پر وصیت نبوی ﷺ پر غور و فکر کرنے کے بعد یہ بات عیاں اور منکشف ہوئی کہ غصہ فی نفسہ سرتاپا شر ہی شر ہے۔ [ابن کثیر]

کیوں کہ انسان حالت غصہ میں اکثر و بیشتر برائی اور معصیت کا ارتکاب کرتا ہے۔ دشنام طرازی، سب و شتم، ظلم و زیادتی، قتل و غارت، تذلیل الاغیار، قطع تعلقی قطع رحمی وغیرہ سب برائیوں کا

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾

[الاعراف: ۱۹۹]

یعنی ”غفو و درگزر کا دامن پڑے رکھو، لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے رہو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ عادت مبارک تھی کہ وہ کتاب اللہ سے تجاویز نہیں کرتے تھے (لہذا انھوں نے اُسے معاف کر دیا۔)

[صحیح بخاری]

بقول شاعر۔

مصور کھینچ وہ نقشہ کہ جس میں یہ صفائی ہو
ادھر حکم محمد ہو ادھر گردن جھکائی ہو
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات پاک طینت جسمہ عدل اور پیکر
انصاف تھی۔ آپ کے عادلانہ فیصلہ جات، منصفانہ امارت و خلافت
اور انصاف پر مبنی احکام کے اپنے تو کیا اغیار بھی مقرو و معترف تھے۔
پھر مزید حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑی جوشیلی اور غصیلی طبیعت کے مالک تھے۔
بے جا اور غلط اعتراض سن کر آپ آگ بگولہ ہوئے مگر جو نہی کلام الہی
کانوں میں پڑا تو ”سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے“ سارا جوش
وغصہ بل بھر میں رفع ہو گیا اور مصداق آیت بننے کا شرف حاصل کر لیا:

﴿وَالْكُظُمِیْنِ الْغَیْظِ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ

الْمُحْسِنِیْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۴]

اس طرح کا ایک نصیحت آموز اور ایمان افروز واقعہ تفسیر قرطبی
میں بھی آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف کا کردار
بے عیب کس قدر قرآن اور سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ یہی
وجہ ہے کہ اقبال بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہے کہ

عطا اسلام کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرہ لا یحزنوں کر
خرد کی گھتیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

ایک دفعہ حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ اپنے مہمانوں میں
تشریف فرما تھے کہ اُن کی ایک لونڈی پیالے میں گرم بخنی یا شوربہ
لے کر آئی جب وہ حضرت میمون کے پاس بخنی تو اُس کا پاؤں پھسل
گیا اور گرم بخنی یا شوربہ حضرت میمون پر گر گیا جس کی وجہ سے حضرت
میمون غصے میں آ گئے اور اُس لونڈی کو مارنے کا ارادہ کیا کہ وہ لونڈی
بول پڑی اے میرے آقا اللہ تعالیٰ کی اس بات (یا حکم) پر عمل کرو
وَالْكُظُمِیْنِ الْغَیْظِ میمون نے کہا (کہ جا) میں نے تجھ سے درگزر
کیا وہ لونڈی بولی وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ میمون نے کہا کہ میں تجھ
سے نیکی کرتا ہوں پس تو رضائے الہی کے لیے آزاد ہے۔

تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطائین وہ خطا پوش و کریم
یہ لوگ تھے، قرآن جن کا اوڑھنا بچھونا تھا، جن کی زندگی کا ہر
پہلو قرآن کے مطابق تھا، پھر یہ پوری دنیا کو اپنے پاؤں تلے کیوں
نہ روندتے۔

تجھے پالا ہے اس قوم نے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا

کظم الغیظ کی فضیلت

غصہ پر ضبط کرتے ہوئے اسے پی جانا اور غصہ نہ نکالنا باوجود
اس کے کہ غصہ نکالنے اور نافذ کرنے پر وہ قادر ہو تو یہ عمل بڑی فضیلت
اور بہت درجہ والا ہے۔

”مَنْ كَظَمَ غَیْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّنْفِذَهُ مَلَكَ اللّٰهُ
جَوْفَهُ اَمْنًا وَّایْمَانًا۔“

”جو اپنا غصہ پی جائے باوجود اس کے کہ وہ اُسے نافذ کرنے
کی قدرت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے پیٹ کو امن اور ایمان
سے بھر دیتے ہیں۔“

دوسری روایت میں ہے کہ

”مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ مِنْ جُرْعَةٍ اَفْضَلَ اَجْرًا مِنْ جُرْعَةٍ

غَيْظٌ كَظَمَهَا ابْتِغَاءً وَجْهِ اللَّهِ -“

”بندے کا وہ غصے کا گھونٹ جسے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے پی جاتا ہے سب گھونٹوں سے افضل ہے۔“

ایک حدیث میں ہے:

”مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُفِذَهُ دَعَاهُ اللَّهُ عَلَى رَأْسِ الْخَلَائِقِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ مِنْ أُمَّةٍ الْحُورِ شَاءَ -“ [ابن کثیر]

”جو اپنا غصہ پی جائے باوجود اس کے کہ وہ اُسے نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے تمام مخلوقات کے سامنے بلا کر اس بات کا اختیار دیں گے کہ وہ حوروں میں سے جوئی حور چاہتا ہے اپنے لیے منتخب کر لے۔“

بعض دفعہ ظالم زیادہ طاقت ور، توانا اور قوی ہوتا ہے جب کہ مظلوم اس کے مقابلہ میں لاغر و نحیف ہوتا ہے اور ظالم کے سامنے مقہور، لاچار اور مضطر ہوتا ہے۔ مظلوم اپنے انتقام و غضب کی آگ طاقت و توانائی سے تو نہیں بجھا سکتا لہذا وہ مختلف ذرائع سے اپنا غصہ ٹھنڈا کرتا ہے کبھی ظالم کے عیوب بیان کر کے کبھی اُسے اُس کی عدم موجودگی میں سب و شتم کر کے اور کبھی اُس کے حق میں بددعا کر کے اپنے آپ کو تسکین دیتا ہے۔ مگر دریں صورت بھی بہترین راستہ یہی ہے کہ اپنے غصہ کو پی جائے اور ظالم کے لیے ہدایت کی دعا کرے جس طرح نبی اکرم ﷺ نے طائف والوں کے ساتھ کیا تھا جب فرشتے نے کہا تھا کہ آپ مجھے حکم دیں میں انہیں ہلاک کر دوں تو آپ نے فرمایا تھا:

”اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ -“

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
قبائل کا شیر و شکر کرنے والا
مفساد کا زیر و زبر کرنے والا

غصہ ہلاکت ہے

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اے ابن آدم! حالت غصہ میں تو مجھے یاد رکھ تو میں تجھے ہلاک نہیں کروں گا۔“

حالات غصہ میں احترامِ انسانیت کا نہ رہنا اور تعلق داری کا پاس ختم ہو جانا شیوہٴ انسانی کے منافی ہے، اور اگر خوفِ خدا بھی جاتا رہے تو یہ بہیمیت کی انتہا ہے۔

ظفر آدمی نہ اس کو جائیے گا خواہ وہ کیسا ہی ہو صاحبِ فہم و ذکا جسے عیش میں یا دُخدا نے رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

وَإِذَا غَضِبْتَ فَكُنْ وَقُورًا كَاطِمًا
لِلْغَيْظِ تُبْصِرُ مَا تَقُولُ وَتَسْمَعُ
فَكُفِّ بِهٖ شَرَفًا تُصْبِرُ سَاعَةً
يَرْضٰى بِهَا عَنْكَ الْإِلٰهَ وَتُرْفَعَ

”اور جب تو غصے میں آئے تو باوقار رہ اور غصہ پی جا، غصے کے وقت جو تو کہتا ہے اور جو تو سنتا ہے اُسے دیکھ۔ کافی ہے بزرگی کہ تو ایک گھڑی صبر کرے اس صبر کی بدولت اللہ تجھ سے راضی ہوگا اور تو (درجات میں) بلند ہوگا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے خطرناک (اور مہلک) شے کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا غضب (سب سے زیادہ خطرناک ہے)۔“ اس آدمی نے کہا کہ کون سی چیز اللہ کے غضب سے نجات دے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”غصے میں نہ آ۔“

طاقت ور کون ہے؟

طاقت ور اور توانا وہ نہیں جو اپنے مد مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ طاقت ور وہ ہے جو بوقت غصہ اپنے نفس پر قابو رکھے اور دامنِ ہوش و عقل نہ چھوڑے۔ چھوٹے پر شفقت، بڑے کا احترام، والدین کا ادب، بھائی کا حق، بہن کی اختیاریت و عصمت، انسانیت کے تقاضے،

اعزہ و اقرباء کے تعلقات، یتیم کی معصومیت، ہمسایہ کی ہمسائیگی، محسن کا احسان، استاد کا احترام اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، غالبیت اور قادیانیت کو نہ بھولے۔

”لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ“

لیکن آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ حالت غصہ میں سب اخلاقیات کا قلع قمع ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں طلاقوں کا آئے دن واقع ہونا، قطع تعلقی قطع رحمی جیسے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا، قتل و غارت وغیرہ ہونا عام اور روز کا معمول بن چکا ہے۔

ابلیس کے حملہ کے تین مخصوص اوقات

ابلیس لعین ویسے تو ہمہ وقت انسان کو گمراہ کرنے کی تگ و دو کرتا رہتا ہے مگر تین اوقات میں عموماً وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے:

① بوقت غصہ: اس وقت ابلیس آدمی میں خون کی بجائے دوڑتا ہے اور آنکھ، کان، زبان، ہاتھ اور پاؤں کو اُس کے اختیار سے باہر نکالتا ہے اور جو چاہتا ہے اُس سے کر دیتا ہے۔

② بوقت جہاد: بوقت جہاد انسان کے دل میں گھربار، عورت و فرزند کا خیال دل میں ڈالتا ہے اور انسان کو ایسے خیالات یاد دلا کر لڑائی کے میدان سے بھگاتا ہے۔

③ بوقت غلوت مع الاجنبیہ: نامحرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بھی شیطان ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ [تازیانہ شیطان]

غصہ زائل کرنے کے طریقے

ابوالاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے حوض پر پانی پلا رہے تھے کہ کچھ لوگ آئے۔ انھوں نے کہا کہ کون ابوذر کے پاس جا کر اُس کے سر کے بال گنے گا تو ایک آدمی نے کہا: میں، سو وہ آیا اور حضرت ابوذر کو تنگ کرنا شروع کر دیا آپ کھڑے تھے بیٹھ گئے پھر (تھوڑی دیر بعد) لیٹ گئے جب ان سے پوچھا گیا

تم پہلے کیوں بیٹھے پھر لیٹ گئے تو انھوں نے فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا تھا کہ جب تم میں سے کوئی غصے میں آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر غصہ چلا جائے تو ٹھیک و گرنہ لیٹ جائے۔ [ابن کثیر]

ابووائل الصنعانی کہتے ہیں کہ ہم عروہ بن محمد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور ایسا کلام کیا جس سے وہ غصے میں آ گئے۔ پس جب وہ غضب ناک ہوئے تو کھڑے ہو کر چلے گئے پھر وضو کر کے واپس آئے تو کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ سو جب کوئی تم میں سے غصے میں آئے تو وضو کرے غصہ زائل کرنے کے تین طریقے ہیں:

①..... وضو کرنے سے پہلے۔

②..... اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔

③..... شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے۔

دو عظیم سننیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ اُن میں سے آسان کام کا انتخاب فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا اگر وہ گناہ کا کام ہوتا تو آپ ﷺ تمام لوگوں کی بہ نسبت زیادہ اُس سے اجتناب فرماتے اور آپ (اپنی ذات کے لیے) کبھی انتقام نہ لیتے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی پامالی ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے انتقام لیتے۔

ترا انتقام و غصہ نتیجہ عداوت ذاتِ تو

ان کا مدار غصہ و انتقام ذاتِ خدائے تو

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے غیظ و غضب کے فتن اور مفاسد سے محفوظ فرمائے، آمین۔



عالم الغیب کون؟

عبدالرحمن اثری، حیدرآباد (سندھ)

منظر دیکھا تو قوم سے کہنے لگے:

﴿وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي﴾ [ہود: ۷۸]

”مجھے تم میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرنا۔“

اگر لوط علیہ السلام عالم غیب ہوتے تو ضرور یہ جان لیتے کہ یہ انسان نہیں فرشتے ہیں اور میری قوم انہیں نہیں چھو سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھیں جب وہ خضر علیہ السلام کی طرف گئے۔ پہلی بات جانے کا مقصد صرف ان سے کچھ چیزیں سیکھنا تھا اگر عالم غیب ہوتے تو جانے کا کیا مقصد؟ خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بعد خضر علیہ السلام نے انہیں کہا:

﴿فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ

ذِكْرًا﴾ [الکہف: ۱]

”جو کام میں کرتا جاؤں اُس کے بارے میں سوال مت کرنا حتیٰ کہ میں خود تمہیں بتا دوں۔“

سب سے پہلے خضر علیہ السلام نے ایک کشتی جس میں سوار تھے اس کو توڑا، موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اعتراض کیا حالانکہ خضر علیہ السلام کے کشتی توڑنے میں حکمت عملی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے علم سے باہر تھی۔ اسی طرح باقی دو فعل جو خضر علیہ السلام نے انجام دیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اعتراض کیا کیوں کہ وہ ان کی حکمت عملی سے ناواقف تھے۔

یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ چلو موسیٰ علیہ السلام عالم غیب نہ تھے خضر جس نے یہ کام کیے وہ تو عالم غیب تھے۔

جواب: خضر علیہ السلام نے یہ تینوں فعل اپنی خواہش یا اپنے علم کے

آج لوگ اپنے آپ کو محبت رسول ثابت کرنے کے لیے آپ کی محبت میں غلو اختیار کرتے ہیں اور آپ ﷺ کو عالم الغیب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عالم الغیب (غیب کا جاننے والا) صفت صرف اللہ کی ہے۔ یہ صفت اللہ نے کسی کو نہیں دی چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ نبیوں کو نبوت سے نوازا ان پر وحی نازل کر کے امور دین سے آگاہ کیا لیکن غیب کا علم کسی نبی کو نہ دیا۔ آدم علیہ السلام کو دیکھیں، انہیں شیطان نے جنت سے نکلوا یا۔ کہا کہ

”اگر تم یہ درخت کھاؤ تو تم فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ جنتی بن

جاؤ گے۔“ [الاعراف: ۲۰]

اب اگر آدم علیہ السلام عالم غیب ہوتے تو ان کو ضرور شیطان کے مکر و فریب کا علم ہو جاتا۔ یعقوب علیہ السلام سے جب ان کے بیٹوں نے یوسف کو سیر کروانے کی اجازت لی اور یعقوب علیہ السلام نے دے دی۔ مگر یوسف کے بھائیوں کے دل میں گھومنے کا ارادہ نہ تھا بلکہ یوسف علیہ السلام کے قتل کا ارادہ تھا۔ یعقوب علیہ السلام اگر عالم غیب ہوتے تو قطعاً یوسف علیہ السلام کو اجازت نہ دیتے۔ دوسری بات اگر عالم غیب ہوتے تو یوسف کے کنوئیں میں گرنے کے بعد واپس آنے کا علم ضرور ہوتا۔ غیب نہیں تھا اس لیے غم اور افسوس کے رونے نے یعقوب علیہ السلام کی بینائی کو بھی ختم کر دیا۔ لوط علیہ السلام کو دیکھیں جب ان کے پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے تو قوم کے لوگ برے ارادے سے فرشتوں کی طرف بھاگنے لگے تو لوط علیہ السلام نے جب یہ

زور پر نہیں کیے بلکہ انھوں نے جب موسیٰ علیہ السلام کو اپنا ساتھی رکھنے سے جواب دیا تو تینوں کاموں کی حکمت عملی سے آگاہ کر دیا۔ آگاہ کرنے کے وقت یہ کہہ دیا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے اپنی طرف سے اور اپنے علم سے نہیں بلکہ

﴿رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي..... الخ﴾

”یہ سب کچھ تیرے رب کی رحمت ہے اور میں نے یہ اپنے علم

کے زور پر نہیں کیا۔“ [طہ: ۸۲]

اب خضر علیہ السلام کے عالم الغیب ہونے کی نفی ہو گئی۔ سلیمان علیہ السلام کو دیکھیں جب انھوں نے اپنی رعایا کی طرف نظر کی تو ہد کو گم پایا۔ اس بات سے سلیمان علیہ السلام کے عالم الغیب ہونے کی نفی ہو گئی کیوں کہ اگر سلیمان علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو پرندوں میں جھانکنے کی کیا ضرورت تھی۔ عالم الغیب کو تو حاضر و غائب اشیاء کا علم ہوتا ہے اور اللہ فرما رہا ہے کہ

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدُ هُدً﴾

”اور سلیمان علیہ السلام نے پرندوں میں جھانکا اور کہا کہ ہد کو میں

کیوں نہیں دیکھ رہا۔“ [النمل: ۲۰]

پھر جب ہد آیا تو کہنے لگا:

﴿أَحْطُتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ﴾ [النمل: ۲۲]

میں ایسی بات کا احاطہ کر کے آیا ہوں جو تو نہیں جانتا۔“

اگر سلیمان علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو پرندے کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ زکریا علیہ السلام کو دیکھیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ لَا وَجَدَ عِنْدَهَا

رِزْقًا قَالِ يَامَرْيَمُ إِنَّي لَكَ هَذَا﴾ [آل عمران: ۳۷]

”جب کبھی زکریا علیہ السلام مریم پر داخل ہوتے تو ان کے پاس

رزق کو پاتے تو سوال کیا کہ یہ رزق کہاں سے آیا ہے۔“

معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام عالم الغیب نہیں تھے۔ اگر ہوتے تو مریم

سے رزق کے بارے میں سوال کیوں کرتے۔ تمام انبیاء کے بارے

میں آتا ہے:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ ط قَالُوا لَا

عِلْمَ لَنَا ط إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ [المائدة: ۱۰۹]

”اس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ رسولوں کو پس کہے گاتھیں کیا

جواب دیا گیا تو وہ کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں۔ بے شک تو

غیب کا جاننے والا ہے۔

یہ تمام آیات اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی

غیب نہیں جانتا۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ صفت کسی میں داخل کرتے تو انبیاء

کے علاوہ اور کسی میں داخل نہ کرتے جب کہ انبیاء کو غیب کا علم نہیں، تو

اور کون ہو سکتا ہے جو عالم الغیب بنے۔ رہی بات آخری نبی محمد کی کہ

وہ عالم الغیب ہیں یا نہیں؟ قرآن میں واضح نص سے ثابت ہے کہ

غیب کا علم آپ نہیں جانتے تھے۔ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ

الْغَيْبِ﴾ [الانعام: ۵۰]

”اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجیے میں نہیں کہتا کہ میرے پاس

اللہ کے خزانے ہیں اور نہیں میں جانتا غیب کو۔“

معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی نے غیب کے جاننے کی واضح طور پر

نفی کر دی ہے۔ اللہ کے نبی نے ہم کو جو خبریں، جو واقعات بتائے ہیں

وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ وحی الہی کے ذریعے سے بتائے ہیں۔

کیوں کہ اللہ کے نبی کوئی بات نہیں کہتے مگر اللہ کے حکم سے جیسا کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

”نبی ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے مگر وہ وحی ہوتی ہے جو

آپ کی طرف کی جاتی ہے۔“ [النجم: ۴۳]

معلوم ہوا کہ کوئی قصہ یا کوئی کہانی اللہ کے نبی اس وقت تک

نہیں بتاتے تھے جب تک آپ ﷺ کی طرف وحی نہ کر دی جاتی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ - الخ﴾

”ہم تجھ پر اچھے قصے بیان کرتے ہیں۔“ [یوسف: ۳]

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے علم کے ذریعے ہمیں قصے بیان نہیں کیے بلکہ وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو مطلع کیا جاتا ہے پھر آپ ﷺ ہمیں خبریں دیتے ہیں۔ جو عالم الغیب ہوتا ہے وہ دوسرے سے بات کون کر نہیں بتاتا بلکہ اپنے علم کے ذریعے بتاتا ہے اور اسی کی تائید میں دوسری آیت آتی ہے:

﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ﴾

[آل عمران: ۴۴]

”یہ غیب کی خبریں ہیں ہم ان کو وحی کرتے ہیں تیری طرف۔“ اگر نبی ﷺ عالم الغیب ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے وحی کرنے کا کیا مقصد۔ اللہ رب العالمین نبی ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی واضح طور پر نفی کر رہے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَعَلَّمَكُم مَّا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [النساء: ۱۱۳]

”اور آپ کو سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔“

یہ آیات واضح طور پر اس بات پر دلیل ہیں کہ اللہ کے نبی عالم الغیب نہیں تھے۔ ایک اور آیت میں آتا ہے:

﴿وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾

”اگر میں غیب کا جاننے والا ہوتا تو میں بھلائی میں سے بہت

کچھ لے لیتا۔“ [الاعراف: ۱۸۸]

اللہ نبی ﷺ کو عالم الغیب ثابت کرنے والوں کے پاس کوئی واضح دلیل نہیں جو اس بات کا تقاضا کرتی ہو کہ اللہ کے نبی ﷺ عالم الغیب تھے۔ صرف یہی دلائل بتاتے ہیں جو اللہ نے آپ پر وحی فرمائی کہ قرب قیامت کو کیا ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے، مہدی کا ظہور ہوگا، عمر و عثمان شہید ہوں گے، حسن و زینبؓ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کروائیں گے، آپ ﷺ نے کفار کے بارے میں بتایا کہ یہ بدر میں اس جگہ قتل کیے جائیں گے جہاں میں حوض کوثر پر اپنی امت کا انتظار کروں گا۔ قرب قیامت کے وقت دجال آئے گا وہ فتنہ برپا کرے گا، یا جوج ماجوج کی قوم آئے گی۔ چند سالوں کے بعد رومی

فارس پر غلبہ پائیں گے۔ اس قسم کی تمام خبریں ایسی ہیں جو آپ ﷺ نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ وحی کے ذریعے سے معلوم کیں ہیں اور اسی طرح یہ حدیث کہ صحابہ نے فرمایا کہ

﴿فَاخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَاْنُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ﴾

[مسلم، ج: ۲، ص: ۳۹۰]

”قیامت تک جو فتنے برپا ہوں گے آپ ﷺ نے ہمیں ان کے بارے میں خبر دی۔“

اس قسم کی دوسری احادیث کو وحی الہی سے منسوب کرنے کی بجائے اگر یہ کہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے علم سے بتایا ہے تو یہ بات اس قرآنی آیت کے متضاد آئے گی جو آیت پہلے گزر چکی کہ

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ﴾

[النجم: ۲، ۳]

نبی ﷺ کو عالم الغیب کہنے والوں کی ایک بڑی دلیل یہ حدیث ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ:

﴿رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ

كَيْفِيٍّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيْ فَعَلِمْتُ مَا فِي

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [دارمی، مشکوٰۃ، باب

المساجد، ص: ۶۹]

”اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا پس میرے رب نے اپنی ہتھیلی کو میرے کندھے پر رکھا، پس میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اپنے سینے میں، پس میں نے آسمان و زمین کی ہر چیز جان لی۔“ اس سند سے یہ حدیث مرسل ہے کیوں کہ عبد الرحمن بن عائش کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ نیز یہی حدیث جامع ترمذی میں معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ

﴿فَنِعَسْتُ فِي صَلَاتِي فَاسْتَشْقِیْتُ﴾

”کہ مجھے نماز میں زبردست اونگھ آگئی اور نماز مجھ پر بھاری پڑ گئی۔“
یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ کو اونگھ میں دیکھا تھا نہ کہ بیداری کی کیفیت میں۔ اگر فرض کر لیں بیداری کی کیفیت تھی تو قرآن کی یہ آیت کہاں جائے گی۔
﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾
”اس کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور وہ آنکھوں کو اپنے احاطے میں لینے والا ہے۔“ [الانعام: ۱۰۳]

اب معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ کو اور زمین و آسمان کی اشیاء کو خواب کی حالت میں دیکھا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ ہمیشہ آسمان و زمین کے ناظر و عالم ہو گئے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی منظر کی جھلک ایک دفعہ دیکھیں تو تصویر کی طرح اس کا نقشہ تو ذہن میں بیٹھ سکتا ہے لیکن جو اس منظر میں انقلابات و تغیرات آئیں گے وہ تمام آپ کے ذہن میں نہیں ہوں گے۔ یہ دیکھنا تو بیداری میں ہے جب آدمی خواب میں کوئی منظر دیکھتا ہے تو زیادہ سے زیادہ ایک دن تک اس کو یاد ہوگا۔ نبی ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کرنے والوں کی ایک بڑی دلیل قرآن سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ لَا مَن

ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ۖ الْخ ۝﴾ [الحج: ۲۶، ۲۷]

”وہ غیب کو جاننے والا ہے پس نہیں مطلع کرتا وہ اپنے غیب پر کسی کو مگر رسولوں میں سے جس پر راضی ہو جائے۔“

اب یہ کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ سے تو اللہ سب سے زیادہ راضی تھا اور اگر رسولوں میں سے کوئی عالم الغیب ہو سکتا ہے تو وہ محمد ﷺ ہیں۔ جواب یہ ہے اللہ رب العالمین نے اپنے نبیوں کو غیب کی خبریں دی ہیں جس طرح نبی ﷺ کو خبریں دی ہیں ہم بھی کہتے ہیں کہ رسول چاہے وہ محمد ﷺ ہی کیوں نہ ہو، انھیں غیب کی وہی خبریں معلوم ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی کے ذریعے بتائی ہوں۔

اب وہ دلائل بیان ہوتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ سب سے پہلے یہ حدیث کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللَّهِ لَا أَدْرِي، وَاللَّهِ لَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ» [صحیح البخاری]

”اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا، اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا اللہ کا رسول ہوں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔“

دوسری حدیث: انصارِ مدینہ زکھجور کا شگونہ مادہ کھجور کے درخت میں لگا دیتے تھے اسے عمل تلخ یا تاہیر کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تو اگلے سال پھل کم آیا۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ» [مسلم، ج: ۲، ص: ۲۶۴]

”کہ تم دنیا کے معاملے کو زیادہ جانتے ہو۔“

تیسری حدیث: میں آتا ہے کہ بچپن میں نبی ﷺ کے سامنے شہدائے بدر کے بارے میں گیت پڑھے۔ ایک بچی نے کہا فَيَسْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ کہ ہم میں نبی ہے جو جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ چھوڑ دو جو پہلے پڑھ رہے ہیں تھیں وہ پڑھو۔

[بخاری، ص: ۷۷۳]

ایک اور حدیث میں آتا ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جو شخص کہے کہ آپ ﷺ کل کے بارے میں جانتے تھے یقیناً وہ جھوٹا ہے۔ [بخاری، ص: ۷۲۰] ایک اور دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”میں اپنی امت کا حوض کوثر پر منتظر ہوں گا ایک قوم آئے گی، میں انھیں پہچان لوں گا وہ مجھے پہچان لیں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا۔ میں کہوں گا یہ مجھ سے ہیں جواب ملے گا فَاِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا اَحَدُتُوْا بَعْدَكَ تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد انھوں نے کیا دین میں داخل کیا۔“ [بخاری، ص: ۹۷۴]

ایک اور دلیل: ایک صحابی نے اپنی لونڈی کو چہرے پر ضرب

ماری، اس کو افسوس ہوا، نبی ﷺ کے پاس آیا کہا کہ میں اسے آزاد کرنا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو میرے پاس لے آؤ تاکہ اس کے مومن ہونے کے بارے میں علم ہو جائے۔ وہ اس کو لے آیا، آپ نے اس سے سوال کیا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کو آزاد کر دو یہ مومنہ ہے۔“ [مسلم]

معلوم ہوا کہ آپ کو سوال کرنے سے پہلے اس کے مومنہ ہونے کے بارے میں علم نہ تھا۔

ایک حدیث میں آتا ہے آپؐ نے جوتے سمیت نماز پڑھانا شروع کی مگر نماز کے دوران ہی جوتا اتار دیا، نماز ختم کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے بتایا کہ آپ کے جوتے میں غلاظت لگی ہوئی ہے، تو میں نے اسے اتار دیا۔

[ابوداؤد، باب الصلاة فی النعل، ج: ۱، ص: ۹۵]

اگر اللہ کے نبی عالم الغیب ہوتے تو آپ ﷺ کو ضرور علم ہو جاتا کہ جوتا ناپاک ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا، صحابہ نے ڈھونڈھا مگر نہ ملا، اس وقت پانی کی بھی قلت تھی جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے اونٹ کو اٹھایا تو ہار اونٹ کے نیچے تھا (اب اگر نبی عالم الغیب ہوتے تو صحابہ کو پریشانی کیوں ہوتی؟) بعد میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیر ہو گئی، لشکر جانے کے بعد صفوان بن معطل پیچھے جا رہا تھا۔ جب اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو انھیں لے کر گھر آ کر چھوڑا تو منافقین اور شیطان کو بہانہ مل گیا، انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق افواہ پھیلا دی۔ نبی ﷺ یہ بات سن کر پریشان ہوئے۔ آخر کار عائشہ رضی اللہ عنہا کو گھر بھیج دیا کچھ دن بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں براءت نازل ہوئی۔ [صحیح بخاری، باب حدیث افک، ص: ۵۹۴]

اگر رسول اللہ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو کبھی بھی اتنی تکلیف میں مبتلا نہ ہوتے، اور نہ وحی کا انتظار ہی کرتے۔ اگر نبی ﷺ عالم

الغیب ہوتے تو صحابہ اور ان کی بیویوں کے درمیان لعان نہ کرواتے۔ کیوں کہ لعان تب کیا جاتا ہے جب دلیل نہ ہو۔ اگر نبی ﷺ عالم الغیب ہوتے تو فیصلہ کر دیتے کہ کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ رات جنت البقیع گئے عائشہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے پہنچ گئیں آپ ﷺ واپس لوٹے تو عائشہ بھی واپس لوٹیں۔ آپ ﷺ تیز ہوئے، عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تیز ہوئیں۔ آپ ﷺ دوڑے، عائشہ رضی اللہ عنہا بھی دوڑیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے گھر پہنچ گئیں آپ ﷺ آئے آپ نے دیکھا کہ عائشہ کا سانس پھولا ہوا ہے تو فرمایا کیا ہوا بتاؤ ورنہ لطیف وخبیر بتا دے گا۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تو آپ ﷺ نے کہا کہ میرے آگے جو سایہ تھا وہ تو تھی؟

[مسلم، ص: ۳۱۴]

معلوم ہوا کہ اگر نبی ﷺ عالم الغیب ہوتے تو یہ نہ کہتے کہ مجھے اللہ لطیف وخبیر خبر دے گا اور آپ نے جو سایہ اپنے آگے دیکھا تھا اس کو بھی اسی وقت پہچان لیتے کہ یہ عائشہ ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آئے، چند سوال کیے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ متلی الساعة قیامت کب واقع ہوگی؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ «مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِاعْلَمُ مِنَ السَّائِلِ» کہ جس سے (یعنی محمد ﷺ) سوال کیا گیا ہے سوال کرنے والا (جبرائیل) اس سے زیادہ جانتا ہے۔

[بخاری، ج: ۱، ص: ۱۲۔ مسلم، ج: ۱، ص: ۲۹]

اگر نبی ﷺ عالم الغیب ہوتے تو ایسے قطعاً نہ کہتے۔ نبی ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کے دلائل بہت ہیں، میں انھیں یہ اکتفا کرتا ہوں اور ساتھ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ رب العالمین ہم کو صحیح عقیدے پر قائم رکھے اور ایسی باتیں جو قرآن و حدیث کے بالکل الٹ ہیں ان کو اختیار کرنے سے بچائے، آمین ثم آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

❀.....❀.....❀.....❀

مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا خاندان

مولانا ابراہیم خلیل (حجرہ، اوکاڑا)

مؤلف مدرس مدرسہ نصرت الاسلام کھپیا نوالی ضلع فیروز پور سے طبع ہوئی۔ اس کتاب کے آخر پر مصنف کے مختصر حالات اور واقعات بھی لکھے گئے ہیں جو بخوف طوالت مضمون چھوڑ دیے گئے ہیں۔

یہ بزرگ اپنے خاندان میں علوم دینیہ کے مروج ہیں۔ ان کی وفات ۱۲۷۷ھ میں موضع بھائی کوٹ تحصیل مکتسر میں ہوئی۔ آپ نے مختلف مقامات پر تدریس و خطابت کے ذریعہ علم و دانش کی اشاعت کی۔ کھپیا نوالی جو آپ کا مولد ہے آپ کے علم و عرفان سے روشنی حاصل کرتا رہا اور کچھ عرصہ موضع ”بہک بودلہ“ جو تحصیل فاضلہ ضلع فیروز پور میں بودلہ برادری کا مرکز تھا آپ کے علوم و فیوض سے مستفید ہوا۔ یاد رہے کہ اسی گاؤں میں ہی مؤلف کی شادی ہوئی تھی۔ آخر عمر میں تھے کہ ”کوٹ بھائی“ کے سکھوں کی ایک بہت بڑی چوری ہو گئی وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے خداداد علم کے ذریعہ اس چوری کا کھوج لگا لیا۔ سکھ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اپنی ملکیت سے اپنے موضع میں مولانا کو کچھ تر اکیڑ رقبہ بطور عطیہ دیا جو اب تک ان کے احفاد و اولاد میں تقسیم شدہ ہے۔ اسی گاؤں میں مولانا مقیم ہو گئے جہاں ان کی رحلت ہوئی۔ آپ کے ایک صاحبزادے کا اسم گرامی مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

مولانا قطب الدین

مولانا قطب الدین نے اپنے والد گرامی قدر سے علوم مروجہ حاصل کیے اور ان کے جانشین ثابت ہوئے۔ ان کی تاریخ ولادت

ضلع فیروز پور ایک مردم خیز ضلع تھا جہاں اسلامی علوم کے مختلف مراکز کام کرتے رہے۔ اسی ضلع کی تحصیل مکتسر میں ایک گاؤں بنام ”کھپیا نوالی“ مشہور تھا جہاں ایک راجپوت خاندان مالک اراضی تھا۔ اس خاندان میں کئی علماء و فضلاء ہوئے ہیں۔ اس خاندان کے مؤسس اعلیٰ مولانا رحمت اللہ تھے۔ یہ مولانا رحمت اللہ اپنے زمانے کے فاضل اجل اور صاحب تقویٰ و ورع بزرگ تھے۔ دہلی میں مختلف اساتذہ سے علوم دینیہ حاصل کیے۔ سید عبداللہ المعروف شاہ غلام علی دھلوی بن سعید عبداللطیف بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی (۱۲۴۰ھ) کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ ”یاد رہے کہ دہلی کے مشہور صوفی منش عالم دین شاہ ابوسعید مجددی اور حافظ بارک اللہ لکھوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی برگزیدہ شخصیت کے اجلہ خلفاء میں سے تھے۔“ مولوی رحمت اللہ مرحوم و مغفور علم دین میں مہارت رکھتے تھے، علم التفسیر والحدیث میں اپنی مثال آپ تھے ان کے علاقہ اور ان کے خاندان کے لوگوں میں ان کے بہت سے خوارق عادات امور اب تک مشہور ہیں۔ چند ایک رسائل بھی ان کی یادگار ہیں ان میں سے ایک کتاب بنام ”رحمت باری“ جو کہ لغت میں نہایت عمدہ ہے اس سے پہلے علم لغت میں کوئی ایسی درسی کتاب طبع نہیں ہوئی ”نصاب ضروری، خالق باری، فارسی نامہ“ وغیرہ جو مختلف مدارس میں پڑھائی جاتی رہی ہیں یہ کتاب ان تمام کتابوں سے زیادہ مفید ہے۔ یہ کتاب ۱۳۴۳ھ میں اسلامیہ پریس لاہور سے باہتمام مولوی محمد عبداللہ صاحب نمبرہ

ووفات اور خدمت دینیہ کے کوائف نامعلوم ہیں۔ ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام نور احمد تھا۔ خاندان میں علم و فضل کی وجہ سے مشہور تھے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے بیٹوں کو علم دین کے لیے وقف کیے رکھا۔ مولوی نور احمد نے اپنے صاحبزادگان مولوی محمد عبداللہ اور مولوی محمد رحمۃ اللہ کو علم دین کے زیور سے آراستہ کیا اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت پر لگائے رکھا۔

مولانا محمد عبداللہ (کھپیا نوالی)

مولانا محمد عبداللہ بن نور احمد بن مولوی قطب الدین بن مولانا رحمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد عبداللہ ۱۸۹۰ء میں موضع کھپیا نوالی میں پیدا ہوئے۔ شعور سے ہی والد بزرگوار نے تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام فرمایا۔ قرآن مجید کے علاوہ ابتدائی کتب درسیہ بھی خود پڑھائیں۔ بعد ازاں مدرسہ محمدیہ لکھنؤ کے ضلع فیروز پور چلے گئے جہاں مشہور محدث استاذ پنجاب مولانا عبدالقادر لکھوی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم و فنون کی کتب قرأت کیں اس دور میں مولانا حافظ محمد عبداللہ غازی پوری کی درس گاہ کا بہت شہرہ تھا۔ چنانچہ مولانا محمد عبداللہ لکھنؤ کے سے ان کے پاس پہنچ گئے۔ ان سے خوب خوب علوم متداولہ میں استفادہ کیا ادھر شیخ پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ علم الحدیث کا درس دے رہے تھے۔ مولانا نے علم الحدیث کے اشتیاق میں وزیر آباد کا رخ کیا اور ان سے فنون حدیثیہ میں درک حاصل کیا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ آپ کا ہر شیخ دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ ایسے صلحاء و علماء سے تربیت حاصل کرنے والے علماء مثالی علم و فضل کے حامل کیوں نہ ہوں گے۔

حصولِ تعلیم کے بعد اپنے گاؤں موضع (کھپیا نوالی) میں ایک تعلیمی و تربیتی درس گاہ کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام ”نصرت الاسلام“ تجویز فرمایا جو حقیقتاً ناصر الاسلام ثابت ہوئی۔ اس درس گاہ میں آپ خود اور آپ کے برادر خوردمولوی محمد رحمۃ اللہ علیہ تدریس و تعلیم کی خدمات انجام دینے لگے۔ آپ کے خلوص للہیت اور نیک نیتی کی وجہ سے یہ

ادارہ تھوڑے عرصہ میں ہی دین اسلام کا عظیم مرکز بن گیا اور بہت سے جید علماء اس دارالعلوم سے متمتع ہوئے۔ چنانچہ اس مرکز سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں میرے استاذ مرحوم مولانا محمد عبدہ الفلاح فیروز پوری، مولانا ولی محمد اراکیاں والا اور مولانا محمد کلسوی کنگن پوری علیہم الرحمہ جیسے تبحر علماء شامل ہیں۔ آپ کے مشاغل میں سب سے اہم شغل تدریس حدیث تھا۔ آپ کے پاس ایک بہت وسیع کتب خانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وسعت مالی سے نوازا تھا جو کتب جہاں سے اور جس قیمت پر دستیاب ہوتی اسے حاصل کر لیتے تھے۔ آپ کا کتب خانہ علماء کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ اس معاملہ میں آپ بالکل بخل سے پاک تھے۔ مولانا محمد عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی لکھنے کا آغاز کیا تو کتب حدیث شروح اور لغت کے حصول کے لیے مولانا محمد عبداللہ سے رابطہ کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے بہت سی کتب مستعار دے دیں جو اونٹوں پر لاد کر مبارکپور پہنچائی گئیں اور کئی سال کے بعد وہ کتب واپس ارسال کی گئیں۔ تقسیم ملک کے وقت پنجاب کے اکثر کتب خانے غیر مسلموں نے ضائع کر دیے اور کئی جلا دیے گئے۔ مگر مولانا کا کتب خانہ کسی فوجی آفیسر کے ہاتھ لگ گیا جس نے ہمت کر کے یہ کتب خانہ ہڈ سلیمانی پر پہنچا دیا جہاں سے آپ کے بیٹے حافظ عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کر لیا اور ساہیوال میں اسے محفوظ کر لیا۔

تبلیغ کے ذریعہ دین اسلام کی آبیاری ان کا محبوب عمل تھا۔ بعض مناظروں میں بھی ان کی شمولیت پائی گئی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحق مویداں والا نے اپنی ایک تصنیف بنام (مناظرہ رانی والا) مطبوعہ ۱۳۴۰ھ میں شامل علماء کرام کے اسماء گرامی گناتے ہوئے مولانا محمد عبداللہ کا اسم گرامی ان الفاظ و اشعار میں بیان کیا ہے:

ہو رکھپیا نوالی دے وچ خاص معاون راقم سندا
عالم فاضل عابد زاہد شان مکمل جیندا

نام محمد عبد اللہ کر رحمت فضل خدایا
لکھ مبارکاً جس والد دے گھر تولد ہو یا

علم امیر الدین کی کاوش سے کریبی پریس لاہور سے طبع ہوئی اور راقم
کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

تالیفات

مولانا محمد عبد اللہ نے زیادہ توجہ تدریس علم پر مرکوز رکھی لیکن
اس کے باوجود آپ کی دو تصانیف میرے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

①..... مولوی عبد العزیز فیض پوری ایک حنفی عالم تھے جو ضلع
فیروز پور کے مختلف مقامات پر جا کر مسلک محدثین کے خلاف تقاریر
کرتے تھے۔ انہی مولوی صاحب نے نشہ تقلید سے سرشار ہو کر ایک
کتاب بنام ”غیر مقلدوں کی منہ مانی مراد“ تصنیف کر ڈالی۔ جس
میں اہل حدیث کے امتیازی مسائل قراءت فاتحہ خلف الامام، رفع
المیدین، آمین بالجبر، وضع المیدین علی الصدر اور گاؤں میں جواز جمعہ
پر تنقید ناسدید کردی۔ جب یہ کتاب مولانا محمد عبد اللہ رحمہ اللہ کی
نظروں سے گزری تو آپ نے ”ہدایت المسلمین فی جواب
المقلدین“ کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ جس میں بطرز محدثین
احادیث صحیحہ مرفوع سے کام لیا گیا۔ یہ کتاب ۱۳۴۳ھ میں مطبع
اسلامیہ سٹیٹیم پریس لاہور سے طبع ہوئی۔ اس کتاب کے شروع میں
تائیدی اور تقریطی بیانات ثبت ہیں۔ (۱) مولانا عبد الواحد از
بڈھیما لوی، (۲) مولانا محمد عبدالغنی بڈھیما، (۳) مولانا محمد
ابوالقاسم از کھپیا نوالی، (۴) مولانا عبدالقادر از لکھو کے۔ یہ کتاب
چھالیس صفحات پر مشتمل ہے، جس سے عوام الناس نے بہت فائدہ
اٹھایا اور عمل بالحدیث میں معاون ثابت ہوئی۔

②..... (نیزہ محمدی) یہ مولانا محمد عبد اللہ رحمہ اللہ کی دوسری
تصنیف ہے۔ جس میں علمائے حنفیہ کی جانب سے علمائے اہل
حدیث کے خلاف لگائے گئے تیرہ اتہامات کے ترکی بہ ترکی جوابات
دیے گئے ہیں، اور پھر ان اتہامات کو انہی کی معتبر کتابوں سے ثابت
کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اٹھارہ سوالات حنفیہ سے کیے گئے ہیں اور
ایک انعامی اشتہار بھی دیا گیا ہے۔ یہ کتاب مدرسہ کے ایک طالب

③..... بعض احناف کے اہل حدیث پر بہتانات اور ان کے
جوابات کے عنوان سے ایک مضمون مفصل تنظیم اہل حدیث روپڑ
جلد ۳، شمارہ ۹ میں طبع ہوا، مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۳۴ء۔

وفات

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے وقت ہجرت فرما کر آرہے تھے کہ
سکھوں نے حملہ کر کے شہید کر دیا۔ ۲۴ اگست کا دن تھا علاقہ بنگلہ
فاضلہ کا میں شہادت نصیب ہوئی اور ان کے ورثاء صبر و تحمل کرتے
ہوئے سرزمین پاکستان میں داخل ہوئے اور ساہیوال شہر میں آباد
ہو گئے۔

حافظ عبد المنان

مولانا محمد عبد اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا عنایت فرمایا جس کا
نام اپنے استاذ حدیث کے نام پر عبد المنان رکھا۔ حافظ عبد المنان
موضع کھپیا نوالی ضلع فیروز پور میں ۱۹۲۱ء میں تولد ہوئے۔ گھر پر ہی
حفظ قرآن مجید کا شرف حاصل ہوا۔ کتب درسیہ اپنے آبائی دارالعلوم
میں والد محترم اور اپنے چچا مولوی محمد رحمہ اللہ سے مکمل کیں۔ ۱۹۳۵ء میں
شیخ الحدیث حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کی خدمت میں علوم الحدیث کے
حصول کے لیے گوجران والا تشریف لے گئے۔ جہاں ایک سال تک
حافظ صاحب کے علاوہ مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ سے بھی استفادہ
کیا۔ ۱۹۳۷ء میں دہلی کا رخ کیا اور مدرسہ فتح پوری میں داخلہ لیا۔
جہاں شیخ الحدیث مولانا محمد اشفاق کاندھلوی صاحب، حضرت مولانا
سلطان محمود صاحب اور مولانا عبد الرحمن صاحب سے ایک سال تک
معقولات کا درس لیتے رہے۔ حصول تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے
مدرسہ ”نصرت الاسلام“ میں مسند تدریس کو رونق بخشی اور تقسیم ملک
تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ تقسیم ملک کے بعد ساہیوال شہر

میں رہائش اختیار کی۔ خدمت دین اور ذوق علمی کی تسکین کے لیے پرنامی مندر پیری والا چوک میں آپ نے مدرسہ ”تعلیم الاسلام“ کے نام سے ایک دینی ادارے کا اجراء کیا جو ساہا سال تک نہایت کامیابی سے چلتا رہا۔ اس دوران آپ جامع مسجد اہل حدیث رجسٹرڈ محلہ فرید گنج ساہیوال میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، اور مسجد انتظامیہ کے صدر بھی رہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث سے زندگی بھر وابستگی رہی۔ ۱۹۶۱ء کے لگ بھگ راقم نے دارالحدیث راجو وال میں مشکوٰۃ المصابیح کی قراءت کی تو اس سال حافظ عبدالمنان سالانہ امتحان کے لیے تشریف لائے۔ رنگ مائل بہ سیاہی، بھرا ہوا جسم، سڈول جو بن، ناک پر ایک تل نہایت وجیہ شکل و صورت کے مالک تھے۔ طلباء کے امتحان کے لیے نہایت متانت سے متوجہ ہوئے۔ اتفاق یہ ہوا کہ آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کے ورق دائیں ہاتھ سے الٹے تو پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات سامنے آ گئی اس کا ترجمہ سماعت فرمایا اور ایک نحوی سوال پوچھا کہ عربی گرامر میں شرط اور جزا میں مغایرت کا ہونا ضروری ہے جب کہ اس حدیث میں شرط ”فمن كانت هجرته الى الله ورسوله“ ہے اور جزا ”فهجرته الى الله ورسوله“ ہے اب اس میں مغایرت نہیں ہے۔ حافظ صاحب کا یہ سوال طلباء کی استعداد سے بالا تھا۔ اب آپ نے خود ہی اس پر تقریر فرماتے ہوئے کہا اس جگہ پر علماء نے کئی حل پیش فرمائے ہیں:

①..... شرط اور جزا دونوں محذوف ہیں اور اصل میں اس طرح ہیں ”فمن كانت هجرته الى الله ورسوله قصدا ونية فهجرته الى الله ورسوله اجراً وثواباً“ یعنی قصدا ونية شرط محذوف ہے اور اجراً وثواباً جزا محذوف ہے اس طرح اس میں تغایر پیدا ہو جاتا ہے۔

②..... اصل عبارت ہے ”فمن كانت هجرته الى الله ورسوله في الدنيا فهجرته الى الله ورسوله في العقبى“

اس طرح فی الدنيا شرط ہے اور فی العقبی جزا بن کر مغایرت پیدا ہو گئی۔ حافظ صاحب کی یہ تقریر اس وقت سے راقم کے ذہن میں محفوظ ہے اور ان کی علمی گہرائی دل میں جا گزیں ہے۔ جب اوکاڑا ضلع ساہیوال میں شامل تھا تو مرکزی جمعیت کے بہت سے اجلاسوں میں شرکت ہوتی تو حافظ صاحب سے ضرور شرفِ ملاقات حاصل ہوتا۔ مختلف ادوار میں راقم ضلع ساہیوال کی مرکزی جمعیت کا ناظم اعلیٰ اور جمعیت شبان کا امیر بھی رہا۔ اس عرصہ میں حافظ صاحب سرپرستی فرمایا کرتے تھے۔ زندگی کے آخری حصہ میں ہر قسم کی مصروفیات سے کنارہ کش ہو کر صرف گھریلو مصروفیات تک محدود ہو گئے اور توجہ الی اللہ پر ذہن کو مرکوز کر لیا۔ مؤرخہ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۰ء بمطابق ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ کو آپ کی زوجہ محترمہ زینب خاتون کا انتقال ہو گیا تو آپ مزید دنیاوی کاموں سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس کے بعد دوسرا صدمہ ان کو یہ پہنچا کہ ان کے فرزند اکبر عبداللہ خالد ایڈووکیٹ مرض کینسر کا شکار ہو گئے اور یکم مارچ ۲۰۰۱ء بمطابق پانچ ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ کو داغِ مفارقت دے گئے۔ اس صدمہ نے ان کے ذہن کو بہت زیادہ متاثر کیا اور مختلف قلبی عوارض میں مبتلا ہو گئے۔

تا آ نکہ مؤرخہ ۲۱ جولائی ۲۰۰۴ء بمطابق تین رجب المرجب ۱۴۲۵ھ کو اس جہان فانی سے بعارضہ قلب رحلت فرما گئے، انا للہ

وانا الیہ راجعون

دو غیر مطبوعہ خط

مولوی محمد کنگن پوری مولانا محمد عبداللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، انھوں نے فراغت علمی کے بعد اپنے استاد مولانا محمد عبداللہ صاحب کھپیانوالی کو فرض نمازوں کے بعد اور تعزیت کے موقع پر اجتماعی دعا کے متعلق ایک خط لکھا اور انھوں نے اس کا جواب باصواب تحریر فرمایا۔ مولوی محمد کنگن پوری کا مکتوب درج ذیل ہے:

من الخادم محمد الى الحضرت المخدم
المکرم المعظم العالم المتبحر الاورع الاتقی من

اقرانه السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، اما بعد!

ان ملفوف جنابکم وصل الی فوقفت ما فیہ۔ اذا کتبت الکتاب الیکم زعمت ان الجناب عسی یزید فی بعض مقامه دلائل لکن الجناب ما زاد شیئاً۔ هل ما فیہ ضرورة تدعو الی الزیادة أم ترک الجناب لوجه آخر؟ وهل ثبت عن النبی ﷺ والصحابہ أدعية للمیت وقت التعزیه غیر ما کتبت فی المضمون أم لا؟ إن وجدتموها اکتبوها الی لأزیدها فی المضمون۔ إذا کان العاجز عند الجناب متعلماً للعلم فأتاکم رجل من سکان قرية لویو فقال: إن المولوی جان محمد یقول: إن الدعا برفع الیدین بعد المکتوبات بدعة فقال الجناب: نحن نثبتہ من القرآن فهل دلیلاً تجدون من القرآن غیر ما کتبت أعنی ﴿ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة﴾ أم لا؟ إن عندکم دلیل من القرآن غیر هذا أخبرونی به فأشکرکم یا مخدومنا! انظروا عبارة کتابی العربیة نظراً ناقداً فإن وجدتم فیها شیئاً قليلاً خلاف قواعد النحو ألا لا تترکوه بل ابطشوا بطشاً وناقشوا نقشاً وها أخبرونی به ثم اؤلف جواب آثار السنن أم أبین وجه عدم تالیفی إیاه إن شاء الله تعالی ولولا یمعنی عنه ما أعلم لألفته الی الآن والله أجد الیوم ما قلبی فاشرع فی تالیفه ان شاء الله العزیز وما ذلك علی الله بعزیز اس عربی خط کے نیچے چند سطور اردو میں لکھی ہیں جو ملاحظہ

کے لیے حاضر ہیں:

”نیز عزیزم: حافظ عبدالمنان صاحب کو بھی مذکورہ بالا عبارت الگ کاغذ میں بھیجتا ہوں ان کو فرمائیے کہ اس عبارت کی تنقید اپنی دانست کے مطابق کر کے آپ کے سپرد کر دیں پھر جناب وہ اور اپنی تنقید مجھے بھیج دیں۔ حافظ محمد عبداللہ صاحب کی خدمت میں میں یہ مضمون بھیجوں گا لیکن مجھے تصدیق کی امید کم ہے۔ دعا بعد المکتوبات کی شاید تصدیق فرمادیں لیکن دعا تعزیت کے متعلق وہ یوں گویا ہوں گے کہ حدیث“ (آگے خط مخدوش ہے)

اس خط کے ایک طرف یہ نوٹ لکھا ہوا ہے: ”نوٹ عاجز نے چند سوالات حافظ محمد صاحب گوندلوی رحمہ اللہ کو بھیجے تھے وہ جناب کی خدمت میں برائے جوابات ارسال ہیں۔ مہربانی کر کے جوابات سے مطلع فرمائیں۔“

دوسری طرف یہ الفاظ تحریر ہیں: ”اگرچہ اصحاب صحاح ستہ نے اکثر مسائل پر ابواب منقذہ کر کے اسلام کو روشن کر دیا ہے لیکن تا حال بہت سے مسائل ایسے ہیں جن پر انھوں نے کچھ نہیں لکھا اور علم جتنا میں چاہتا ہوں مل گیا تو ان شاء اللہ العزیز اس کمی کو پورا کر دوں گا اور اس کا نام مندرجہ ذیل الفاظ سے منتخب کر لوں گا۔

(۱) ہدایۃ الانام الی انوار الاسلام، (۲) یا ہدایۃ

الانام فی درک مافات من الاعلام، (۳) یا ہدایۃ

الانام فی درک مافات من الاحکام، (۴) یا ہدایۃ

اس کے بعد نوٹ لکھا ہے:

”نوٹ: مولوی عبدالسمیع صاحب نے مجھے لکھا ہے کہ آپ تحفۃ الاحوذی اخیرین اور مقدمہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب سے لیے لیں۔ لہذا عرض ہے کہ جناب کو وہ پہنچی ہیں یا نہیں۔ الرام محمد زکلس گاماں ڈاکخانہ کنگن پور، ضلع لاہور۔“

اس خط کے مختلف حصے ہیں مولانا نے مختلف حصوں میں ہی اس کا جواب لکھا ہے:

من العاجز عبد الله الى عزيزي مولوي محمد

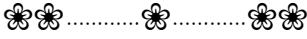
سلمه الله تعالى۔ السلام عليكم ورحمة الله وبركاته،

اما بعد! وصل فتواكم الى فوجدته بحمد الله صحيحاً لكنى مازدت فيه شيئاً لاجل عدم الفرصة من التدريس وغيرها وقد كتبت قبل ارسالك فتوى وكتبت فيه جواز رفع اليدين وقت التعزية وارسلت الى لكهو كے ومركز الاسلام فصدقني ووافقني مولانا عطاء الله لكهوى ومولوى محى الدين المركزى۔ اريك ان شاء الله وقت الملاقات۔ والدليل على رفع اليدين بعد الصلوات المكتوبات اية (ادعوني استجب لكم) الاية قد امر الله تعالى بالدعاء ووعد بقوله استجب للاستجابة ولم يعين وقتاً وان لقبولية الدعاء اوقاتاً منها بعد الصلوات المكتوبات فحق علينا ان ندعو الله بالدعاء فى ذلك الوقت وايضا الحديث تفسير القرآن وثبت بالاحاديث الدعاء بعد الصلوات المكتوبات وعبارتك ايها العزيز فيه التطويل القليل وبعض الاغلاط رمزت اليها ولتاليف جواب اثار السنن ما كتب بعد ذلك مخدوش تصحيحى نوٹ :

(۱) ينبغي اذ مكان اذا وضعت الشرط موضع الظرف ، (۲) لا ينبغي كلمة ”ما“ هنا اس کے بعد اردو خط کا جواب اردو میں دیا ہے:

ولیکم السلام ورحمة الله وبركاته، تحفة الاحوذى طلباء وغيره کے لیے خریدار بنا کر طلب کی تھی جو طلباء ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔ ایک کو میں نے کہا تھا مگر اس نے نہیں مانا حکیم عبدالمسیح صاحب سمجھے کہ میں نے عام منگوائی ہے بلکہ طلباء کو منگوا کر دیے تھے۔ اگر میرا کوئی نسخہ ہوتا

تو آپ کے لیے حاضر تھا باقی سوالات کے جوابات ان شاء اللہ پھر لکھوں گا ایک دو جگہ جانا ہے واپس آ کر ان شاء اللہ جواب تحریر کر دوں گا۔ مولوی حافظ محمد صاحب نے جو جواب لکھے ہیں تو پھر مجھے تکلیف نہ دیں کیوں کہ مجھے کم فرصتی بہت ہے اگر حافظ صاحب جواب لکھتے ہیں تو ملاحظہ کے لیے بھیج دیجیے۔ محمد عبداللہ غفرلہ



ضرورت مدرس سکول نیچر و خادم مسجد

ترجمہ قرآن مجید اور کتب حدیث پڑھانے کے لیے محقق اہل حدیث عالم، گرائمر سکول کے لیے ٹیچر، مسجد کے لیے مختی خادم کی ضرورت ہے۔ متشرع اہل حدیث ہونا ضروری ہے اگر اس کی بیوی بھی عالمہ یا میٹرک پاس ہو تو دونوں کی معقول تنخواہ، قیام و طعام احسن ہوگا۔ [ملک عبدالوہاب اعوان، جوہر آباد: 0334-7533601]

275261 فون: 51538

اعلیٰ معیار کی ضمانت

اعلیٰ کوالٹی پائیداری میں بے مثال

زیمنٹ اور زینبائش میں لا جواب

سٹیژن

پتکھے، موٹریں اور واشنگ مشینیں

تیار کرو: سٹیژن الیکٹریکل انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ، جہانوالہ

”لوط“ نام سے اعراض کیوں؟

عطا محمد جنجوعہ

اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کے نام کا جائزہ لیں تو اُن میں سے اکثر نام اللہ کی عبدیت یا نبی کریم ﷺ سے اپنی نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔ تاہم کچھ نام انبیائے کرام ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام پر ضرور ملیں گے۔ آپ ذرا باریک بینی سے دوبارہ نظر دوڑائیں مسلم سوسائٹی میں ابراہیم، اسماعیل، یعقوب، اور لیس، ایوب، یونس، شعیب رضی اللہ عنہم کی طرح دیگر تمام انبیائے کرام کے نام پر سینکڑوں آدمی مل جائیں گے۔ لیکن آپ کو ”لوط“ نام پر ایک آدمی بھی نہیں ملے گا۔ آخر وہ کون سی وجہ ممکن ہے جس کی بنا پر مسلمان اس نام کو رکھنے سے اعراض کرتے ہیں۔ اس پر بحث کرنے سے پیشتر تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے حضرت لوط علیہ السلام کے حالات پیش خدمت ہیں:

”حضرت لوط علیہ السلام ہارون بن آزر کے بیٹے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ ہی کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا تھا اور آپ ہی کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا نبی بنا کر ”سدوم“ نامی بستی کی طرف بھیجا۔ آپ نے انہیں اور آس پاس کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی اطاعت کی طرف بلایا۔ نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا جن میں ایک برائی اغلام بازی تھی۔ جو ان سے پہلے دنیا میں مفقود تھی۔ اس بدکاری کے موجد بھی ملعون لوگ تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان حرام کاروں سے فرمایا کہ تم سے پہلے تو یہ ناپاک اور خبیث فعل کسی نے نہیں کیا۔

عورتوں کو جو اس کام کے لیے تھیں چھوڑ کر تم مردوں پر رتھ رہے ہو؟ اس سے بڑھ کر اسراف اور جہالت کیا ہوگی؟ مفسرین فرماتے ہیں جس طرح مرد مردوں میں مشغول تھے عورتیں عورتوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔ قوم لوط پر نبی کی نصیحت کا رگڑ نہ ہوئی بلکہ لٹا دشمنی کرنے لگے اور دیس سے نکالنے پر تل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موع ایمان داروں کے صحیح سالم بچالیا اور تمام بستی والوں کو ذلت و پستی کے ساتھ تباہ و غارت کر دیا۔“ [تفسیر ابن کثیر]

تمام انبیائے کرام کی طرح حضرت لوط علیہ السلام معصوم عن الخطا ہیں۔ جنہوں نے اہل سدوم کو غیر فطری فعل ترک کرنے کی مکاحقہ تبلیغ کی مگر وہ باز نہ آئے۔ پہلی امتوں کے وہ لوگ جو اپنے دور میں مبعوث نبی پر ایمان لائے ہم اُن کو نبی کی نسبت سے موسوی، ابراہیمی اور عیسائی تو کہہ سکتے ہیں لیکن جنہوں نے اُن کی مخالفت کی اُن کو کسی صورت نبی سے منسوب نہیں کر سکتے خواہ وہ نبی ہی کی قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔

حضرت سلمان فارسی، صہیب رومی اور بلال حبشی رضی اللہ عنہم کو محمدی کہہ سکتے ہیں مگر قریش مکہ کے وہ لوگ جو آپ پر ایمان نہیں لائے اُن کو عام فہم مسلمان بھی دشمنوں کی صف میں شامل کرے گا آپ سے نسبت قطعاً ظاہر نہیں کرے گا۔

جب سدوم کے ہم جنس پرست اپنے کیے پر نادم ہونے کی بجائے سرکش ہو گئے تو اُن پر خوف ناک عذاب کا نزول شروع

ہو گیا۔ رات کے اندھیرے میں ایک بیٹ ناک چیخ بلند ہوئی جس نے سدومیوں کے سینے پھاڑ دیے۔ آسمان سے پتھروں کی اندوہناک بارش شروع ہو گئی۔ سدومیوں کی یہ سرزمین زبردست زلزلے کے باعث سطح سمندر سے ۴۰۰ میٹر گہرائی تک دھنس گئی اور اس پر بحیرہ مردار نمودار ہو گیا۔

سدومیوں کا نام و نشان مٹ گیا مگر شیطان اور اُس کے چیلے موجود ہیں جن کی تگ و دو سے مغربی ممالک کی بیشتر پارلیمنٹوں نے ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ فراہم کر دیا ہے۔ صہیونی میڈیا روحانی کینسر کے جراثیم کو سٹلائٹ چینل کے ذریعے تیسری دنیا خصوصاً مسلمانوں کے دل و دماغ میں سرایت کر رہے ہیں۔ سدومی فعل پر مبنی سی۔ ڈی سستے داموں مہیا کر رہے ہیں لیکن ہم ان کا سدباب کرنے میں بدستور چشم پوشی سے کام لے رہے ہیں۔ اگر دانش وروں نے مؤثر حکمت عملی سے نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہ دیا تو قہر الہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

لوط علیہ السلام کو جھٹلانے والے اور مذموم فعل کے ایجاد کنندگان کو لوطی کہنا قطعاً درست نہیں۔ عام تعلیم یافتہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں غیر فطری فعل کے لیے ”لواطت“ اور فاعل کو ”لوطی“ کیوں لکھتے ہیں؟ کیوں کہ ہمارے اکثر علماء سے ادبی نوعیت کی سہواً غلطی ہوئی ہے اور تاحال کر رہے ہیں۔ چند نمونے پیش خدمت ہیں:

①..... سورہ اعراف کی آیت ۸۴ کے تفسیری حاشیہ میں لکھا ہوا ہے: ”لوطی تباہ ہو گئے“ حضرت لوط اور ان کا گھرانہ اللہ کے ان عذابوں سے بچ گیا جو لوطیوں پر نازل ہوئے..... امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ لوطی فعل کرنے والے کو اونچی دیوار سے گرادیا جائے۔ پھر اوپر سے پتھراؤ کر کے اسے مار ڈالنا چاہیے۔ کیوں کہ لوطیوں کو اللہ کی طرف سے یہی سزا دی گئی ہے..... ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جسے تم لوطی فعل کرتے پاؤ اسے اور نیچے والے دونوں کو قتل کر دو۔“ [تفسیر ابن کثیر ج: ۲، ص: ۱۸۶، ۱۸۷ مطبوعہ مکتبہ

قدوسیہ، اردو بازار۔ لاہور]

②..... خلاصہ تفسیر القرآن حقوق نسواں جلد خامس میں صفحہ ۵۵۹ پر جلی حروف میں عنوان دیا گیا ہے:

”لوطی کی سزا کا بیان“ ناشر مکتبہ النجمن خدام الدین شیراں والا دروازہ۔ لاہور۔

③..... ایک سائل نے محتاط الفاظ میں فتویٰ دریافت کیا:

(i) مرد کے مرد کے ساتھ غلط تعلقات ہوں تو شریعت میں اس کی سزا موجود ہے؟ کیا اس کو حد قرار دیا جاسکتا ہے؟

(ii) دو طالبات کے آپس میں غلط قسم کے تعلقات ہوں تو اس کی سزا کیا ہوگی؟ یہ حد ہو سکتی ہے یا تعزیر؟

جواب: ”لواطت اور سحاق (دو مردوں یا دو عورتوں کا آپس میں غیر فطری فعل) نہایت بے حیائی اور قبیح ترین جرائم ہیں۔“

دارالافتاء کے صفحہ پر جلی حروف میں ہیڈنگ ہے:

”لواطت اور سحاق کی سزا کا بیان“۔ ماہنامہ ”محدث“ اپریل ۲۰۰۵ء بمقام ۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے درمیان اخوت و محبت کا رشتہ قائم تھا جس کو علامہ محمد عبداللہ تونسوی نے شیعہ کتب کے حوالوں سے ثابت کیا ہے۔

④..... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار خلافت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ برضا و رغبت خود آتے جاتے اور فیصلے کرتے تھے، اور ان کے فیصلے اور فتویٰ پر عمل ہوتا تھا۔ بلکہ کتب شیعہ میں یہاں تک ثابت ہے کہ صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی خلافتوں میں عہدہ قضا و حدود وغیرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا وہ بخوشی اس کو انجام دیا کرتے تھے۔ شیعہ کی معتبر کتابوں میں اس طرح مرقوم ہے۔

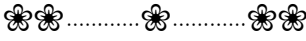
امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک لوطی کو پکڑ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں فیصلہ کے لیے پیش کیا گیا اس وقت دربار خلافت میں حضرت علی اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

اس کی سزا کے متعلق باہم مشورہ ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

”ما تقول يا ابا الحسن؟ قال: اضرب عنقه فضرب عنقه قال: ادع بحطب قال: فدعا عمر بحطب فامر به امير المؤمنين عليه السلام فأحرق به -“ [استبصار، ج: ۲، ص: ۲۱۹]

”اے ابوالحسن آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کی گردن اڑا دو پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن مروادی اور فرمایا: لکڑیاں منگواؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکڑیاں منگوائیں پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کو جلادیا گیا۔“
”رسالہ شان فاروق اعظم“ ناشر شعبہ تالیف و تصنیف، مدرسہ محمدیہ رجسٹرڈ سوری لنڈ (ڈیرہ غازی خان)

چوں کہ ”سدوم“ بستی کے مکین غیر فطری فعل کے موجد تھے چنانچہ موجودہ دور میں کوئی فاعل اس قسم کا مذموم فعل کرے تو آپ اُسے ”سدومی“ کہیں یا ہم جنس پرست۔ جب اس فعل کو ظاہر کرنا مقصود ہو تو اسے ”ہم جنس پرستی“ کہیں اور لکھیں۔
اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے اور آئندہ احتیاط برتنے کی توفیق دے، آمین۔



ضرورت اکاؤنٹس

ہمیں اپنے ادارے مرکز ادارۃ الاصلاح، پھولنگر ضلع قصور کے لیے ایک اکاؤنٹ صاحب کی فوری ضرورت ہے۔ صحیح العقیدہ، پابند شریعت، ایمان دار صاحب کو ترجیح دی جائے گی۔ فوری رجوع کریں۔
[رابطہ نمبر: 0333-4296679_0333-4358421]

مختصر تفسیر سمیت دنیا کا ایک انوکھا ترجمہ قرآن

آؤ ایسے قرآن پاک پر تلاوت کریں کہ ترجمہ اور تفسیر خود بخود دل میں اترتے جائیں

إِنْ بَعْضُ الظَّنِّ اَشْمُ وَّ لَا تَجَسَّسُوا وَّ لَا يَغْتَابُ	بعض ظن گناہ ہوتا ہے اور نہ تجسس کرو اور نہ غیبت کرے
بَعْضُكُمْ بَعْضًا اِ يَحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيهِ	(کسی کے پوشیدہ عیب پر پردہ ڈالنا نہ دین کی جانے والی لڑکی کو جانے کے برابر ہے، عیب ستانی کرنا کی لوکاڑ ہے)
يَكْفُرُ عَنْهُمْ وَ اَشْفَاوُا اللّٰهُ اِنْ اللّٰهُ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ	تجھ راہض دوسری (کسی ایک بھائی کی عدم موجودگی میں اس میں موجود عیب کو نہ بیان کرو)
فَوَيْلٌ لِلَّذِي يَفْرَقُ بَيْنَ يَدَيَّيْهِمَا	پس وکیل کے لیے کہ جو ان کے درمیان میں رکھ دے

⑤..... پروفیسر حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری مرحوم لکھتے ہیں:

”جمہوریت میں اکثریت جو چاہتی ہے کرتی ہے۔ جمہوریت میں حق ناحق، جائز ناجائز، اچھا برائی نفسہ کوئی چیز نہیں جو اکثریت منظور کرے وہ حق اور جائز حتیٰ کہ اگر اکثریت لواطت (Sodomy) کو جائز قرار دے دے تو معاشرہ میں وہ بھی جائز سمجھی جائے گی۔“

[رسائل بہاولپوری، ص: ۲۸۴ مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد]

جب ہمارے عالم فاضل غیر فطری فعل سرانجام دینے والوں کے لیے لوطی کا لفظ استعمال کریں تو عام فہم مسلمان سہو غلطی کریں تو انہیں جھکی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روزمرہ محاورہ کی غلطی کی وجہ سے کوئی مسلمان اپنے بچے کا نام ”لوط“ نہیں رکھتا۔

اور دان کے عجیب و غریب فوائد

پنڈت کرشن دت شرما تلمیذ استاذ الحکماء حکیم محمد عبد اللہ

- ✽ ایک بوٹی جسے سخت گرمی کے موسم میں کھالیا جائے تو آگ تاپنے پر مجبور ہو جائیں گے۔
- ✽ کڑکڑاتے جاڑے میں ایک بوٹی کی چند پیتاں کھائیے اور سخت سردی میں ٹمپٹ تک اتار پھینکیے۔ سردی محسوس نہیں ہوگی۔ سردیوں میں گرمی پیدا کرنے والی بوٹی
- ✽ ایک عام بوٹی جس کا دو ماہ تک لیپ کرنے سے برص کے داغ دور ہو جاتے ہیں۔
- ✽ حیرت زدہ کر دینے والی ایک اور بوٹی۔ یہ مجھردانی کا کام دیتی ہے۔
- ✽ وہ بوٹی جس کی پہلی ہی خوراک سے سیروں دودھ ہضم ہو کر جزو بدن بن جاتا ہے۔
- ✽ کلد اور مصری کھائیے اور تپ دق سے نجات پائیے۔
- ✽ اس بوٹی کو دیکھیے۔ یہ ایک گھٹنے کے اندر اندر پھوڑے کو پھوڑ دیتی ہے۔
- ✽ ایک مشہور درخت کے پتے، جن کو چلم میں تمباکو کی طرح پینے سے دمہ کا فور ہو جاتا ہے۔
- ✽ ایک اور درخت کے پتے۔ بچے کے پیٹ پر ان کا لیپ کیجیے۔ پانچ منٹ میں قبض کھل جائے گی۔
- ✽ ایک عام ملنے والی بوٹی۔ لکنت سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔
- ✽ درختوں پر رہنے والی ایک تیل۔ یہ بالوں کو گرنے سے روکتی ہے۔
- ✽ اس بوٹی کے رس کی ایک بوند، مرگی کا دورہ پڑنے پر آنکھ میں ڈالیے، مرگی ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے گی۔
- ✽ بغیر آپریشن کے موپیے سے نجات۔

قیمت :-/300 روپے

- ✽ نرینہ اولاد کی پیدائش کے لیے ایک درخت کی چھال کی تاثیر۔
- ✽ وہ پھل جس کے متواتر استعمال سے عمر بھر کوئی بیماری نہیں ستاتی۔
- ✽ مزید لاتعداد بوٹیوں کے شفا بخش اثرات۔ اللہ تعالیٰ کی شان کرم کی مثالیں۔
- اس کے علاوہ رتن جوت، زخم حیات، بانجھ کلوہ، ایرسا، بکن، چھوٹی چندن، بیخ احمر، ارٹھ، بہو پھلی، اندرانی، اونٹ کٹارہ، ارجن، اسگندھ، اجوائن خراسانی، شاہترہ، سنکھا ہولی، گورکھ پان، ستیاناسی، کوکنار، آکاش نیل، آک، سیب، اشق، ماکنہ، زقوم، آملہ، افیون، خشخاش، پاپیت، برہم ڈنڈی، کافور، سنہا لو پر اہم مضامین۔

چوہر جی برانچ: ۳۔ بی نیاز و یو سکیم عقب خان بابا ریسٹورنٹ
چوک چوہر جی لاہور۔

راولپنڈی: دکان نمبر 12، اعظم مارکیٹ، کمبلی چوک
اقبال روڈ، راولپنڈی

ادارہ مطبوعات سلیمانی

042-7232788
042-8414546

ہیڈ آفس: رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔
فون: E-mail: idarasulemani@yahoo.com

قرآنی رباعیات

(۱)

پوچھیں یہ لبید بن ربیعہ سے سب: کیا بات ولید بن مغیرہ نے کہی
 ”کہتے نہیں اب شعر تو کیا اس کا سبب؟“ جب کان میں اس کے صوتِ قرآن پڑی:
 حیرانی سے کہے: ”أَبَعْدَ الْقُرْآن؟“ ”ہے جو بھی مَا هُوَ بِشَاعِرٍ وَاللَّهِ!“
 رکھتا ہے مجھے مہر بلب گفتہ رب!“ ہر بات ہے مظہر العجائب اس کی!“

(۳)

ہے مَادِبہ اللہ کا زمیں پر قرآن بنتے ہیں بغیر علم کے دین پناہ
 ہر شخص کے ذوق کا ہے جس میں ساماں کرتے ہیں وہ سادہ منشوں کو گمراہ
 اسرار و معارف کا اک ایسا دفتر من مانے نکالیں آیتوں کے مطلب
 تا حشر کرے گا شرح جس کی انساں! اور ان پر ٹھہرائیں وہ اللہ کو گواہ!

(۵)

حد سے ہیں فزوں اس کے مفاہیم و نکات
 ہیں حصر سے باہر اس کے ابعاد و جہات
 تہ دار ہے قرآن کثیر المعنی
 دے ساتھ بس اک حد تک ہی علم لغات!